19 تا 25 جون 2008ء/14 تا 20 جمادی الثانی 1429ھ

نسخۂ کیمیا
کیا ہماری مہلت ختم ہورہی ہے؟
شاہ بھاگ رہا ہے
بین المذاہب مکالمے کی کانفرنس
حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے
امریکی حملہ اور وزیرِ دفاع کے خیالات
روشن خیالی نے بُرے دن دکھائے......
دعوتی وتربیتی سرگرمیاں
عالم اسلام

خطرناک طرزِ معاشرت

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے انباروں سے زیادہ خطرناک وہ طرزِ معاشرت ہے جو امیر وغریب میں امتیاز قائم کر کے غریب کے دل میں سرمایہ داری کی ہوس اور شاہ پرستی کا شوق پیدا کرتی ہے۔ سونے چاندی کے برتن زرق برق ریشمی لباس، فیشن اور تکلفات، دولت مندوں کے دماغوں میں کبر وغرور اور تصوّرِ برتری پیدا کرتے ہیں۔ اِس سے ناداروں کے دلوں میں حرص وطمع کی وہ خواہش پیدا ہوتی ہے جو ان کو زیادہ رشوت ستانی، چوری، خیانت، استحصال بالجبر اور عصمت فروشی وغیرہ پر آمادہ کردیتی ہے۔ غرض سماجی زندگی کے بیش قیمت تکلفات، سرمایہ داری اور شاہ پرستی کے وہ زہریلے جراثیم ہیں کہ جب تک نظام ان کی اجازت دیتا رہے گا، سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط ہوتی رہیں گی، دوسری طرف نادار اور حریص لوگوں میں جرائم کی عادت بڑھتی رہے گی۔ شاہ صاحبؒ ایک طبقے کی ایسی خوشحالی کو جو اِن تکلفات سے مُرصّع (مزیّن) ہو جس سے اقتصادی توازن بگڑے ''رفاہیت بالغہ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور سوسائٹی کے لیے اس کو بدترین جرم اور اس کے خلاف جنگ کو مقدس جہاد قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی تصانیف ''رفاہیتِ بالغہ'' کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی

سورۃ الانعام

(آیات:131-135)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ
ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ ﴾

”(اے محمدؐ) یہ (جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو) اس لیے کہ تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کردے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ اُن سے بے خبر نہیں۔ اور تمہارا پروردگار بے پروا (اور) صاحب رحمت ہے۔ اگر چاہے (تو اے بندو) تمہیں نابود کردے اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین بنادے جیسا تم کو بھی دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ (وقوع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کرسکتے۔ کہہ دو کہ لوگو تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ، میں (اپنی جگہ) عمل کیے جاتا ہوں۔ عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا کہ آخرت میں (بہشت) کس کا گھر ہوگا۔ کچھ شک نہیں کہ مشرک نجات نہیں پانے کے۔“

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾﴾ ”اور ہم (لوگوں کو) عذاب کرنے والے نہیں جب تک ہم (اُن میں) کوئی رسول نہ مبعوث کریں“۔ وہی بات یہاں بیان ہورہی ہے۔ آپ کے رب کی یہ سنت نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو برباد کردے، زیادتی اور ظلم کے ساتھ، جب کہ وہاں کے رہنے والے بے خبر ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جب بھی رسولوں کو بھیجا گیا اور انہوں نے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل واضح کردیا مگر پھر بھی لوگ باطل پر اڑے رہیں تو پھر اُن کو نسیاً منسیا کردیا جاتا رہا ہے۔

اور ہر ایک کے لیے اُس کے عمل کے اعتبار سے درجات، مقامات اور مراتب ہیں۔ ظاہر ہے نہ سارے بدکار ایک جیسے ہوتے ہیں اور نہ سب نیکوکار ایک طرح کے ہوتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل کو دیکھ رہا ہے۔ رب تعالیٰ اُن کے کاموں سے جو وہ کررہے ہیں بے خبر نہیں ہے۔

اور آپ کا رب تو غنی ہے۔ اُسے کسی کو عذاب دے کر کوئی فائدہ نہیں، اور اُس کا کوئی کام رکا ہوا نہیں جو لوگوں کی بندگی اور اطاعت سے بن جائے۔ وہ تو رحمت والا ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ چاہے تو تم سب کو ختم کردے اور تمہارے بجائے جن کو چاہے لے آئے یعنی ایک نئی مخلوق پیدا کردے یا نئی نسل آدم پیدا کردے جیسا کہ اُس نے تمہیں کسی اور قوم کی نسل میں سے اٹھایا۔ عرب میں عاد بڑی زبردست قوم تھی لیکن جب اُس کو تباہ و برباد کردیا گیا تو انہیں میں سے کچھ لوگ ایمان لاکر حضرت ہودؑ کے ساتھی بنے اور وہاں سے ہجرت کرگئے۔ پھر ان ہی کے ذریعے سے قوم ثمود وجود میں آئی جو اپنے کرتوتوں کے سبب ہلاک ہوئی۔ اُن میں سے اہل ایمان کی ایک اور قوم وجود میں آئی۔ اسی طریقے سے ہم تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئیں گے۔ یاد رکھیے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، وہ آ کر رہے گی، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے۔ اُس کے وعدے پورے ہوکر رہیں گے۔

اب یہاں Challenging انداز ہے۔ کہہ دیجیے، اے میری قوم کے لوگو! کرلو تم جو کچھ کرسکتے ہو اور میں بھی کررہا ہوں۔ دیکھو، مجھے دعوت دیتے ہوئے بارہ سال ہوگئے ہیں، تم نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مجھے اور میرے ساتھیوں کو ستایا، تین سال تک مجھے شعب ابی طالب میں محصور رکھا، میرے ساتھیوں کو انگاروں پر لٹایا، ریت پر گھسیٹا، ذبح کیا، میرے کتنے ساتھی ہیں جو گھربار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ جو کچھ تم نے کرنا تھا کرلیا اور جو کچھ کرسکتے ہو کرلو۔ جو مجھے کرنا ہے، وہ میں کررہا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ عافیت کا گھر کس کے لیے ہے۔ کامیابی اور جنت کس کے حصے میں آتی ہے اور اللہ کا عذاب کس کو ملتا ہے۔ یقیناً ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جہنم کی گہرائی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ سَمِعَ وَجْبَةً فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: ((هَلْ تَدْرُوْنَ مَا هٰذَا؟)) قَالَ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: ((هٰذَا حَجَرٌ رُمِیَ بِهٖ فِی النَّارِ مُنْذُ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا فَهُوَ یَهْوِیْ فِی النَّارِ الْاٰنَ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى قَعْرِهَا، فَسَمِعْتُمْ وَجْبَتَهَا)) (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ کسی چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی، آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: ”جانتے ہو یہ کیسی آواز تھی؟“ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں! فرمایا: ”یہ وہ پتھر ہے جو ستر سال پیشتر دوزخ میں لڑھکایا گیا تھا، وہ آج جہنم کی تہہ تک پہنچا ہے۔ یہ اس کی آواز تھی جو تم نے سنی!“

"تا خلافت کی بِنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 17 — 19 تا 25 جون 2008ء — 14 تا 20 جمادی الثانی 1429ھ — شمارہ 25

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ادارِیہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نسخہ کیمیا

کالم نویسی اور ادارتی تحریریں یہ کام دنیا میں سب سے زیادہ آسان پاکستان میں ہے، اِس لیے کہ جس طرح یہ کوئی خبر نہیں کہ کتے نے انسان کو کاٹ لیا بلکہ خبر یہ ہے کہ انسان نے کتے کو کاٹ لیا، اِسی طرح جن ممالک میں لائف روٹین کے مطابق چلتی رہتی ہے، کوئی سیاسی ہنگامے نہیں ہوتے، آئین بنتا اور ٹوٹتا نہیں رہتا، لانگ مارچ اور ٹرین مارچ نہیں ہوتے، دھرنے نہیں دیے جاتے، گو صدر گویا گو وزیر اعظم گو نہیں ہوتا، حکومتیں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس پر حملے نہیں کراتیں، ججوں کو قید یا نان فنکشنل نہیں کیا جاتا، جن ممالک میں این آر او (NRO) یعنی لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا لائسنس نہیں ملتا اور جہاں اپنے شہریوں کو سپر پاور کے حوالے کرکے دام کھرے نہیں کیے جاتے، جہاں لاپتہ افراد (Missing Persons) کی اصطلاح سے کوئی آشنائی نہیں، جہاں نہ کبھی 9 مارچ آتا ہے اور نہ کبھی 12 مئی آتا ہے اور اہم ترین بات یہ کہ جہاں سربراہ حکومت یا سربراہ ریاست کے باوردی ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اِن ممالک کے لکھاری کتنی مشکل میں ہوتے ہوں گے۔ اِن بیچاروں کے پاس لکھنے کو مواد کہاں سے آتا ہوگا۔ پاکستان اِس حوالہ سے نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ اپنی اچھل کود ایکسپورٹ بھی کرتا رہتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر عبدالقدیر ایران، لیبیا اور شمالی کوریا کی گلیوں میں ایٹم بم لے لو، بڑا سستا لے لو کی صدائیں لگاتا رہا ہے۔ یہ کسی نے اُس پر الزام نہیں لگایا، بلکہ خود بنفس نفیس اُس نے الیکٹرانک میڈیا پر اس جرمِ عظیم کا بقائمی ہوش و حواس اعتراف کیا ہے اور یہ پردہ سکرین پر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دلی آمادگی اور انشراح صدر کے ساتھ کیا ہے؟

پیارے وطن میں تو روزنامے میں اداریہ لکھنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ ہفت روزہ یا ماہنامہ میں تو اداریہ نویس کو یہ مسئلہ پیش آ جاتا ہے کہ کون سے مسئلہ پر قلم اُٹھایا جائے اور کس سے صرفِ نظر کیا جائے۔ اِسی ہفتہ کو لے لیں، بہت سے موضوعات ہیں۔ مثلاً لانگ مارچ ہے جس کی دھوم نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں مچی ہوئی تھی۔ غریب نواز بجٹ تھا۔ پھر یہ کہ آصف زرداری کا ہر بیان اگرچہ اعلیٰ درجہ کے پولیٹکل انٹلکچولز کو تو مخمصے میں ڈال دیتا ہے، ہمہ شمہ اداریہ نویس کو تو اُن کا ہر جملہ ایک اداریے کا مواد مہیا کر دیتا ہے۔ پھر اپنے الطاف بھائی ہیں۔ ہر ایشو پر اُن کے فدائی "جو قائد کا غدار ہے، موت کا حقدار ہے" کا نعرہ بلند کر دیتے ہیں۔ ہم جیسے بدذوق اُس پر بھی قلم اُٹھا لیتے ہیں۔ کبھی کبھار یورپ والے جوابی مروت کا اظہار کرتے ہوئے عالمی خواتین دن، مزدوروں کا عالمی دن، مدرڈے، فادرڈے اور ویلنٹائن ڈے جیسے خوبصورت آئیڈیاز دیتے ہیں تو قلمکاروں کو قرطاس سیاہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ آج ہم نے اِن موضوعات کے مجمع پر خودکش حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یعنی ہر موضوع پر دو دو جملے لکھ کر صحافت کا لانگ مارچ کریں گے۔

سچ یہ ہے کہ وکلاء کا لانگ مارچ حاضری کے اعتبار سے انتہائی کامیاب تھا۔ پُرامن اور عدم تشدد کے حوالہ سے یہ ایک معجزہ تھا جو رونما ہوا۔ ججوں کی بحالی اور مشرف کی بدحالی کے حوالہ سے بھی اِس لانگ مارچ سے منزل قریب آئی ہے، البتہ اِس کا اختتام بڑے بھونڈے انداز سے کیا گیا۔ جن وجوہات کی بنا پر دھرنا نہیں دیا جا سکتا تھا وہ وکلاء قیادت کے سامنے پہلے بھی تھیں، پھر کنفیوژن کیوں پیدا کیا گیا۔ آغاز میں یہ کیوں نہ کہہ دیا گیا کہ ہمارے اِس لانگ مارچ کا اختتام ایک بڑے جلسہ پر ہوگا، دھرنا دینے کے لیے ہمارے وسائل نہیں ہیں۔ ہم لانگ مارچ کے بعد منزل کے حصول کے لیے اگلا لائحہ عمل دیں گے۔ بجٹ کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ہمیں بہت ڈر محسوس ہوتا ہے، کل کلاں کوئی کہہ دے گا، یہ وطن آپ کا بھی ہے آپ ہی اِس کا بجٹ بنا دیں (باقی صفحہ 14 پر)

ساقی نامہ (تیسرا بند)

[بالِ جبریل]

دمادم رواں ہے یمِ زندگی ۔۔۔ ہر اک شے سے پیدا رمِ زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود ۔۔۔ کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موجِ دُود!
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گِل ۔۔۔ خوش آئی اسے محنتِ آب و گِل
یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی! ۔۔۔ عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی!
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر! ۔۔۔ مگر ہر کہیں بے چگوں، بے نظیر!
یہ عالم، یہ بتخانۂ شش جہات! ۔۔۔ اِسی نے تراشا ہے یہ سومنات!
پسند اس کو تکرار کی خُو نہیں ۔۔۔ کہ تُو مَیں نہیں اور مَیں تُو نہیں
من و تو سے ہے انجمن آفریں ۔۔۔ مگر عینِ محفل میں خلوت نشیں
چمک اس کی بجلی میں، تارے میں ہے ۔۔۔ یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول ۔۔۔ اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چُور ۔۔۔ کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حُور!
کہیں جُرّہ شاہینِ سیماب رنگ ۔۔۔ لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ
کبوتر کہیں آشیانے سے دُور! ۔۔۔ پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور!

1۔ اِس بند میں اقبال نے زندگی کی اصلیت اور اُس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا ہے، جن کا ہر فرد کو ادراک نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ زندگی کا تمام کاروبار ہر وقت جاری و ساری رہتا ہے۔ زندگی ہر وقت متحرک ہے۔ اس لیے کہ ہر شے میں ارتقا کا عمل جاری ہے، اور ارتقا حرکت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور کائنات دونوں کو ترقی پذیر بنایا ہے۔

2۔ جس طرح شعلے میں دھواں پوشیدہ ہوتا ہے، اسی طرح جسم زندگی کے اندر مخفی ہے، اور زندگی ہی کی بدولت اُسے خارجی وجود حاصل ہوتا ہے۔ یہ زندگی ہی ہے جو جسم کو وجود عطا کر کے نمایاں کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحِ حیات ہے۔

3۔ ہر چند کہ زندگی کو آگ، پانی، مٹی اور ہوا جیسے مادی عناصر کی حدود میں رہنا گوارا نہیں، لیکن یہ عناصر انسانی وجود میں ارتقا کی علامت ہیں۔ زندگی ان مادی عناصر کی جدوجہد کو اپنے حق میں مفید سمجھتی ہے، کیونکہ جسم کے بغیر زندگی کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی۔

4۔ زندگی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ عناصر میں گرفتار بھی ہے اور ان سے بے زار بھی ہے۔ اقبال نے زندگی کو ثابت اور سیار دونوں قرار دیا ہے، یعنی زندگی متضاد خواص کی حامل ہے۔ وہ ثابت ہے، اس معنی میں کہ شخصیت رکھتی ہے۔ سیار ہے، اس معنی میں کہ ارتقائی حرکت رکھتی ہے۔

5۔ زندگی اپنے مظاہر کی بوقلمونی کے باوجود ایک ''وحدت'' ہے۔ جس طرح دریا اپنی مختلف شکلوں کے باوجود شروع سے آخر تک ایک ہی دریا ہے، جس میں دوئی یا کثرت نہیں ہے۔ لیکن زندگی کی وحدت مظاہر کی کثرت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

6۔ اور یہ دنیا ایک ایسے بُت کدے کی مانند ہے جو عملاً چھ سمتوں پر مشتمل ہے۔ یہ بت کدہ بھی زندگی ہی کی بدولت وجود میں آیا ہے۔ زندگی نہ ہوتی تو یہ دنیا بھی نہ ہوتی۔

7۔ یہ عالم رنگ و بو ایسا ہے جس میں ایک فرد کی شکل دوسرے فرد کی شکل سے نہیں ملتی۔ کیا کثرت کا یہ مظہر حیرت انگیز نہیں ہے کہ ہر فرد دوسروں سے بالکل مختلف ہے۔

8۔ انجمن سجانے میں زندگی بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور اِس کے بغیر آرائشِ انجمن بھی ممکن نہیں۔ اس کے باوجود یہ حیرت انگیز امر ہے کہ میری تیری محفل کے دوران بھی وہ تنہائی کے کرب میں مبتلا رہتی ہے اور ہر کہ و مہ کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

9۔ اگر غور سے جائزہ لیا جائے تو زندگی عالمی سطح پر بے شمار اشیاء میں مختلف رنگ ڈھنگ سے نظر آتی ہے۔ کبھی بجلی کے تاروں میں، کبھی ستاروں میں اس کی چمک نظر آتی ہے اور کبھی چاندی، سونے اور پارے میں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ غرض یہ کہ زندگی اپنے طور پر مختلف اشکال میں موجود ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کو غور سے اور گہری نظر سے دیکھا جائے۔

10۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی ہی کی بدولت صحرا اور اُس کے کانٹے دار درخت اور پھول نشوونما پاتے ہیں۔

11۔ زندگی میں اِس قدر قوت و استحکام ہے کہ تصادم کی صورت میں پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ جبریلؑ جیسا فرشتہ اور حورانِ جنت اگر بالمقابل ہوں تو انہیں بھی اپنے جال میں پھانسنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ انسان میں اگر روحانی قوت موجود ہو تو اس کی رسائی بہشت بریں اور فرشتوں اور حوروں تک ہو سکتی ہے۔

12۔ کہیں اِس امر کا امکان بھی ہوتا ہے کہ زندگی سے بھر پور کوئی لشکر اور اُس کا سپہ سالار اپنے سے کمزور سلطنتوں کے خلاف خوں ریز جنگ کے بعد شکست فاش دے کر اُن پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور ان پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے کی فکر کرتا ہے۔

13۔ کہیں زندگی ایسی بالادست حیثیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ اپنی ذہانت سے حریفوں کو اپنے دام میں گرفتار کر لیتی ہے۔ غرض زندگی ہی وہ قوت ہے جو ہر شے پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی اہل ہوتی ہے۔

کیا ہماری مہلت ختم ہو رہی ہے؟

مہمند ایجنسی پر امریکی جارحیت اور ملکی سلامتی کو لاحق خطرات کا ایک جائزہ

مسجد دارالسلام باغ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید کے 13 جون 2008ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۂ بنی اسرائیل کی آیات 16، 17 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! گزشتہ کچھ عرصہ سے بحیثیت قوم ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان میں کبھی تو انسان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اُس پر شدید ترین مایوسی کا غلبہ ہوتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے ملک وملت کے حوالے سے امید کی کرنیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ حالیہ انتخابات کے انعقاد سے پہلے صورتحال بڑی مایوس کن تھی، لیکن جب انتخابی نتائج سامنے آئے، اور پرویز مشرف اور اُن کے حلیف ابن الوقت سیاسی گروہ کو شکست ہوئی، اور پیپلز پارٹی، ن لیگ پر مشتمل ایک جمہوری حکومت قائم ہوگئی، تو قوم کے اندر ایک مرتبہ پھر زندگی کی امید اور رمق پیدا ہوگئی۔ اُس وقت بھی میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے نئے حکمرانوں کے سامنے اصل سوال اور آزمائش یہ ہے کہ آیا وہ ملک کو امریکہ کی اُس غلامی سے نکال پائیں گے جو آٹھ سالہ پرویزی آمریت کے دور میں ہم پر مسلط کردی گئی ہے۔ یہ سوال اب ایک مرتبہ پھر ارباب اقتدار سے اپنا جواب مانگتا ہے۔ اِس لیے کہ حال ہی میں امریکہ نے مہمند ایجنسی میں راکٹوں سے حملہ کیا ہے، اور یہ حملہ براہ راست ہمارے فوجیوں پر ہوا ہے۔ اِس کے نتیجے میں ایک میجر سمیت چالیس سے زائد فوجی اور سویلین جاں بحق ہوگئے ہیں۔ حملہ کے خلاف قوم میں شدید غم وغصہ ہے۔ میڈیا میں اِس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جا رہی ہے۔ یہ جارحیت درحقیقت ریاستی دہشت گردی کا بدترین مظاہرہ ہے، جس کا ارتکاب امریکہ نے کیا ہے۔ یہ ہماری سالمیت اور خودمختاری پر حملہ ہے، لیکن یہ حملہ پہلی بار نہیں ہوا، بلکہ اِس سے پہلے بھی ہم پر کم وبیش 44 حملے ہو چکے ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے بے حمیت حکمرانوں نے اکثر وبیشتر قوم کے سامنے جھوٹ بولا اور حملوں کی ذمہ داری اپنے سر لیتے رہے، اور ذرائع ابلاغ کی اِس ترقی کے دور میں عوام سے حقائق مخفی رکھنے کی احمقانہ کوششیں کرتے رہے۔

امریکہ کے تازہ حملہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ بہر صورت ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اور صفحہ ہستی پر پاکستان نامی آزاد وخودمختار ایٹمی قوت کا وجود اُسے کسی صورت گوارا نہیں۔ اِس جارحیت سے نام نہاد دہشت گردی کے خلاف طاغوتی جنگ کی حقیقت بھی اب ہر خاص وعام پر واضح ہوتی جا رہی ہے۔ نائن الیون کے واقعہ کے بعد ہم نے افغان مسئلہ پر بظاہر تورا بورا بننے کے اندیشہ سے گھبرا کر ایک حد درجہ نامعقول، غیر اخلاقی اور غیر شرعی پالیسی اختیار کی۔ فوجی صدر پرویز مشرف نے،

امریکہ کے تازہ حملہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہ بہر صورت ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے اور صفحہ ہستی پر پاکستان نامی آزاد وخودمختار ایٹمی قوت کا وجود اُسے کسی صورت گوارا نہیں

جیسا کہ وہ ہمیشہ کہتے ہیں، قوم سے کہا کہ یہ فیصلہ ہم نے ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں کیا ہے۔ اور ہمارے دانشوروں اور پڑھے لکھے لوگوں نے بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ان لوگوں کی بھی اکثریت کا خیال تھا، اپنے تحفظ کے لیے یہ صحیح فیصلہ ہے۔ امریکہ بہت بڑی قوت ہے، اِس فیصلے سے ہم امریکی جارحیت اور بہت بڑی تباہی سے بچ گئے ہیں۔ لیکن وقت نے ثابت کردیا ہے کہ یہ فیصلہ سراسر غلط تھا۔ چنانچہ اب وہ سارے اندیشے حقیقت بن کر ہمارے سامنے آ رہے ہیں، جن کا اظہار ممتاز عسکری ماہرین اور دین وملت کا درد رکھنے والے سنجیدہ لوگ کر رہے تھے۔ صدر پرویز مشرف نے تب اپنے اِس فیصلے کی جو مصلحتیں گنوائی تھیں، وہ بھی ایک ایک کرکے کب کی ہوا میں تحلیل ہو چکی ہیں۔ کہا گیا تھا کہ کشمیر کاز کو تقویت ملے گی، امریکہ بھارت کے مقابلے میں ہمیں زیادہ اہمیت دے گا اور ہمیں معاشی استحکام حاصل ہوگا۔ قومی خودداری اور اپنے مسلمان افغان بھائیوں کے خون کا سودا کرنے کے نتیجے میں ہمیں متذکرہ فوائد تو حاصل نہ ہوئے، نہ ہونے تھے، البتہ آج ہماری اپنی خودمختاری اور سلامتی داؤ پر لگ گئی ہے۔ امریکہ جب چاہتا ہے ہمارے ملک پر جارحیت کرتا ہے، جس سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

افغان پالیسی پر یوٹرن محض ایک سیاسی فیصلہ نہ تھا، نہ یہ محض حکمت عملی کی تبدیلی تھی، بلکہ یہ اپنے دین وایمان کا سودا تھا، جو ہمارے حکمران نے کیا۔ افغانستان میں طویل قربانیوں کے بعد اسلامی حکومت وجود میں آئی تھی، اور وہ مستحکم ہو رہی تھی۔ ہم نے اُس حکومت کے خاتمے اور مسلمان بھائیوں کے قتل عام کے لیے امریکی طاغوت کا ساتھ دیا، وہ امریکہ جسے نہ صرف افغانستان میں شرعی حکومت گوارا نہ تھی، بلکہ دنیا کے کسی بھی خطے میں خلافت کو خطرہ سمجھتا ہے، اور اس کے قیام سے پہلے ہی اُس کو دبانا اپنا فرض خیال کرتا ہے۔ افغان مسئلے پر یوٹرن لے کر ہم نے گویا ثابت کردیا کہ نعوذ باللہ ہمارا ایمان اللہ تعالیٰ پر نہیں، جو علیٰ کل شیء قدیر ہے، جو پوری کائنات کا مالک ہے، بلکہ امریکہ کی طاقت پر ہے۔

افغان مسئلے پر امریکہ کی اطاعت کی پالیسی اپنا کر جب ہم امریکی غلامی کی راہ پر چل نکلے تو پھر اپنا ہر مفاد، ہر

چیز اُس کی قربان گاہ پر قربان کر ڈالی۔ پھر ہم نے کشمیر پالیسی سے یوٹرن لیا۔ نظریۂ پاکستان سے منہ موڑا، دینی اقدار سے یوٹرن لیا۔ ہم ریاستی سطح پر اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج واشاعت کی بجائے امریکہ سے درآمدہ نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو بزورِ قوت قوم پر مسلط کرتے رہے۔ اپنے ''آقا'' کی خوشنودی کے لیے دین کا حلیہ بگاڑا اور دجالی مغربی تہذیب کو پھیلایا۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں ملک میں فحاشی وعریانی، شیطنت اور دجالیت کا سیلاب آیا ہے۔ سرکاری سرپرستی میں عریانیت کی اشاعت، راگ رنگ کی محفلوں کے انعقاد اور موسیقی کے پروگراموں نے ہمیں اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا پر پھیلائی گئی اخلاق باختگی پر مستزاد بل بورڈز کے ذریعے بھی عریانیت کو عام کیا جا رہا ہے۔ یہاں فیشن شو اور کیٹ واک ہو رہی ہیں، جن کا اِس سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ موبائل فون کمپنیوں کو بھی کھلی چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ جیسے چاہیں ہماری روایات، اقدار کا جنازہ نکالیں اور نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑیں۔ یہ سب کچھ درحقیقت مغربی دجالی تہذیب کے مظاہر ہیں، یہ شیطنت ہے جو سرکاری سرپرستی میں ہمارے سماج پر مسلط کی جا رہی ہے، اور یہ واردات اُس قوم کے ساتھ ہو رہی ہے، جس نے اللہ سے اِس وعدہ کے ساتھ ایک آزاد اور خود مختار ملک حاصل کیا تھا کہ اُس میں تیرے دین کا بول بالا کریں گے، اور یہ شیطنت اُس سماج پر ٹھونسی جا رہی ہے، جس کی اکثریت معاشی بدحالی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، اور جہاں آئے روز خودکشیاں ہوتی رہتی ہیں۔

بحیثیت قوم آج جو ہماری حالت ہے، اللہ سے ہم نے سرکشی اور نافرمانی کا جو شیوہ اختیار کر رکھا ہے، یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی روش ہے۔ ہمارا سرمایہ دار اور مقتدر طبقہ عیاشیوں کا دلدادہ ہے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جب کسی قوم کا سرمایہ دار طبقہ عیاشیوں اور گناہوں میں پڑ جاتا ہے تو پھر دربارِ خداوندی میں اس قوم کی بربادی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہ سنتِ الٰہی بایں الفاظ بیان کی گئی ہے۔

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝﴾

''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا۔ تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ پھر اس (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا، اور تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ یونہی کسی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ نہیں فرما دیتا، بلکہ کسی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ تب ہوتا ہے جب وہ بداعمالیوں اور سیاکاریوں کی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ جب اُس قوم کے سرمایہ داروں کی فطرت اِس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ گناہ اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اور فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے انہیں کھلی چھوٹ دیتا ہے، تاکہ وہ پورے طور پر عذاب کے مستحق ہو جائیں۔ پھر اللہ کی سنت اور قانون اُن پر پورے طور پر لاگو کر دیا جاتا ہے اور وہ قوم تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ تاریخ میں بہت سی اقوام اپنے جرائم اور گناہوں کی پاداش میں ہلاک کی گئیں۔ اِس سلسلے میں قرآن حکیم بطورِ خاص قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، آلِ فرعون اور اصحابِ مدین کا تذکرہ کرتا ہے، کہ اُن پر عذابِ استیصال آیا اور اُن کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اگرچہ امتِ مسلمہ پر اُس طرح عذابِ استیصال نہیں آئے گا جیسا کہ پہلی نافرمان قوموں پر آتا رہا ہے کہ پوری امت ختم ہو جائے، لیکن گناہوں کے سبب امت کے ایک حصے پر عذاب آ سکتا ہے، اور ہماری تاریخ میں آیا بھی ہے۔ اِس

پریس ریلیز — **13 جون 2008ء**

وکلاء اپنی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھیں جب تک ملک میں اسلامی نظام قائم نہ ہو جائے

عوام کی حقیقی دادرسی صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہماری عدلیہ ہر قسم کے حکومتی دباؤ سے آزاد ہو کر صرف اللہ اور رسول ﷺ کے عطا کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرے

حافظ عاکف سعید

نائن الیون کے بعد ہم نے سو جوتوں سے بچنے کے لیے اپنے دین وایمان کا سودا کیا تھا لیکن اب امریکہ کے جوتے بھی کھانے پڑ رہے ہیں۔ ڈھٹائی کی انتہا یہ ہے کہ صدر مشرف اب بھی مصر ہیں کہ ہم نے یہ سب امریکہ کے دباؤ پر نہیں بلکہ قومی مفاد میں کیا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغِ جناح میں خطابِ جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ روشن خیالی کے عنوان پر ہمارے حکمرانوں نے اسلامی احکامات کی دھجیاں بکھیریں۔ ثقافت کے نام پر فسق و فجور کے بازار گرم کیے گئے۔ عدلیہ سمیت ہر قومی ادارے کو امریکہ کے قدموں میں قربان کر دیا گیا۔ دین وایمان سے بے وفائی کی سزا یہ ملی کہ ہم امریکہ کے غلام بن چکے ہیں اور اب وہ ہمارے علاقوں پر حملہ کر کے معافی مانگنے کو بھی تیار نہیں۔ ان اقدامات کے خلاف وکلاء کی تحریک یقیناً امید کی کرن کی حیثیت رکھتی ہے۔ امریکہ جس کی پشت پر یہود کارفرما ہیں، وہ عالم اسلام بالخصوص پاکستان کو اپنی راہ کی رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ ہمیں ان دشمنوں سے بچانے والی اللہ کی ذات ہے۔ اللہ کی مدد ساتھ لینے کے لیے پوری قوم اپنی سابقہ کوتاہیوں پر توبہ کرے اور ملک میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لیے جدوجہد کرے۔ انہوں نے کہا کہ وکلاء بھی اپنی یہ مبارک جدوجہد اس وقت تک جاری رکھیں جب تک ملک میں اسلامی نظام قائم نہ ہو جائے۔ کیونکہ پاکستان کے مجبور اور مظلوم عوام کی حقیقی دادرسی بھی صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہماری عدلیہ ہر قسم کے حکومتی دباؤ سے آزاد ہو کر صرف اللہ اور رسول ﷺ کے عطا کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

کی نمایاں مثال ہسپانیہ میں مسلم اقتدار کا خاتمہ ہے۔ ہسپانیہ وہ ملک ہے کہ اُس پر آٹھ سو برس مسلمانوں کو غلبہ حاصل رہا۔ مگر جب عذاب آیا تو نہ صرف اُن کی آٹھ سو سالہ حکومت اور شان و شوکت کو ختم کر دیا گیا، بلکہ اُن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

ہم اپنا جائزہ لیں، گزشتہ آٹھ سالوں میں ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ کیا عذاب کے اسباب ہم نے فراہم نہیں کر لیے ہیں؟ کیا دین سے بے اعتنائی اور وہ خرابیاں ہم میں پیدا نہیں ہو گئی ہیں کہ جن کے سبب اللہ عذاب نازل کرتا ہے؟ بظاہر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بحیثیت قوم ہماری مہلت عمل ختم ہو چکی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارا طبقہ امراء عیش و عشرت میں غرق ہو چکا ہے اور اُس نے فسق و فجور کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ جشن بہاراں کے نام پر عیش و مستی کے پروگرام ہو رہے ہیں۔ اُس کے لیے ہوٹلوں اور گھروں کی چھتیں بک کرائی جاتی ہیں، شراب نوشی کے دور چلتے ہیں اور راگ رنگ کی محفلیں ہوتی ہیں۔ اس وقت ہم جس زبوں حالی کا شکار ہیں اور آئے روز امریکہ ہم پر جارحیت کرتا ہے اِس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے مالک و خالق کو ناراض کر دیا ہے۔ بحیثیت قوم ہم نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اللہ سے سرکشی، نافرمانی اور بغاوت کی روش اپنا رکھی ہے۔ چاہیے کہ ہم اِس روش کو تبدیل کریں۔ اللہ کی جانب رجوع ہوں۔ اُس کے رسول رحمت ﷺ کی تعلیمات اور اسوۂ زندگی کو اختیار کریں...... امریکہ ہماری سرحدوں پر جو جارحیت کر رہا ہے، یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں، بلکہ پاکستان پر باقاعدہ یلغار کی ابتدا ہے۔ پاکستان پر حملہ کے لیے اُس نے القاعدہ رہنماؤں کی موجودگی کو بہانہ بنانا ہے۔ اِس سے پہلے بھی اُس نے جو جارحیت کی ہے اُس کا بظاہر سبب یہی بتایا ہے کہ فلاں علاقے میں ایمن الظواہری یا فلاں "دہشت گرد" موجود تھا۔ دراصل امریکہ ایک پلاننگ کے تحت آہستہ آہستہ ہمیں کارنر کر رہا ہے، اگر افغانستان اور عراق پر اُس نے براہ راست حملہ کیا ہے تو وہ یہاں پر کر سکتا ہے۔ امریکہ کے آئے روز کے حملوں کو ہمیں اِسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اس ضمن میں اہم ترین بات یہ ہے اِس صورتحال سے چھٹکارا کیونکر ہو۔ اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم سب اللہ کی جناب میں سچی توبہ کریں۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگے۔ اجتماعی سطح پر ملک میں وہ نظام خلافت قائم کیا جائے جس کی خاطر یہ ملک ہم نے حاصل کیا تھا۔ ہمارا اِس بات پر ایمان ہے کہ کائنات کی کل طاقت و اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ یقین کیجیے، اگر ہم اللہ تعالیٰ کو منا لیں، تو وہ ضرور ہماری مدد فرمائے گا، اور جسے اللہ کی مدد اور نصرت حاصل ہو جائے، دنیا کی کوئی طاقت اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور اگر ہم اپنی روش پر چلتے رہے، دین و شریعت کو پاؤں تلے روندتے رہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت، کوئی وسیلہ ہمیں دشمن کی یلغار سے نہ بچا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ یونہی کسی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ نہیں فرما دیتا، بلکہ کسی قوم کی ہلاکت اور بربادی کا فیصلہ تب ہوتا ہے جب اُس قوم کے سرمایہ داروں کی فطرت اِس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ گناہ اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اور فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں

موجودہ مخدوش حالات میں امید کی کچھ کرنیں بھی نظر آ رہی ہے۔ سب سے پہلی بات جو اطمینان کا باعث ہے، یہ ہے کہ نائن الیون کے واقعے کے بعد مسلمانوں میں بیداری آئی ہے۔ اگرچہ ہماری اکثریت اب بھی دنیا ہی کو اپنا مقصد زندگی بنائے ہوئے ہے، اور مترفین دجالی تہذیب میں غرق ہو چکے ہیں۔ اُن کا طرز زندگی، رہن سہن، بود و باش ہر چیز دجالیت کی عکاسی کرتی ہے۔ ہمارے پوش علاقوں میں جا کر جائزہ لیجیے، کامل مغربیت کی جھلکیاں صاف دکھائی دیں گی۔ تاہم بہت سے لوگوں میں شعور بیدار ہو رہا ہے۔ اُن پر یہ حقیقت آشکارا ہو رہی ہے کہ 'دہشت گردی' کے خلاف عالمی مہم حقیقت میں اسلام کے خاتمے کی ابلیسی مہم ہے، جس کے ایجنٹ اسرائیل اور امریکہ ہیں۔ اسی نسبت سے اُن میں دین کی طرف رجوع بڑھ رہا ہے اور ایسے ہی لوگوں کے ذریعے بالآخر دجالی قوتوں کو شکست ہو گی (ان شاء اللہ)۔ احادیث رسول ﷺ میں اِس کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ تاہم اِس سے پہلے ہم مسلمانوں پر کتنی مار پڑے گی یہ اللہ ہی جانتا ہے۔

دوسری اہم بات جو امید افزا ہے یہ کہ ہمارے ہاں، اسی الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے جو دجالی تہذیب کے فروغ کا ذریعہ ہے، پیغام قرآنی کی بھی توسیع و اشاعت ہو رہی ہے۔ ٹی وی پر نشر ہونے والے دروس قرآن اور دورۂ ترجمہ قرآن کے ذریعے مسلمان قرآن حکیم کے فلسفہ و پیغام سے روشناس ہو رہے ہیں۔ QTV، ARY اور Peace TV کے ذریعے گھر گھر اسلامی دعوت پھیل رہی ہے۔

تیسری بات جو حوصلہ افزا ہے، وہ وکلاء تحریک ہے۔ صدر پرویز مشرف کے عہد خون رنگ میں ہمیں امریکی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ امریکی ایجنڈا گزشتہ نو سالوں میں جس طور سے ہمارے ملک پر مسلط کر دیا گیا، بظاہر اُس سے نکلنے کی دور دور تک کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ مگر وکلاء کی عظیم جدوجہد کو ہم خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ اُس کے سبب ملت اسلامیہ پاکستان کو امریکی غلامی کے راستے سے ہٹانے کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ وکلاء تحریک نے بجا طور پر یہ نعرہ دیا ہے کہ "ہم ملک بچانے نکلے ہیں، آؤ، ہمارے ساتھ چلو"۔ ہم نے اخلاقی طور پر وکلاء جدوجہد کی مکمل تائید کی ہے۔ اِس سلسلے میں معروف قومی اخبارات میں ایک اشتہار بھی شائع کرایا گیا ہے۔ اشتہار میں ہم نے وکلاء پر واضح کیا ہے کہ تنظیم اسلامی جنرل (ر) پرویز مشرف کے 3 رنومبر کے غیر آئینی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام کے خلاف اور چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور دیگر جج حضرات کی بحالی کے ضمن میں وکلاء کی عظیم جدوجہد کی بھرپور تائید کرتی اور انہیں خراج تحسین پیش کرتی ہے۔ آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ پاکستان کی بقا اور خودمختاری کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ تاہم اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی اس نظریاتی ریاست کی حقیقی بقا اور استحکام کا تمام تر دارومدار یہاں دین کے قیام اور شریعت کے نفاذ پر ہے۔ تنظیم اسلامی اللہ کے فضل و کرم سے اسی مبارک مقصد کے حصول کے لیے اپنی بساط کے مطابق سرگرم عمل ہے۔ ہم وکلاء سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنی اس جدوجہد کو اُس وقت تک جاری رکھیں جب تک اسلام کا نظام عدل اجتماعی پاکستان میں قائم نہ ہو جائے، اس لیے کہ پاکستان کے مجبور اور مظلوم عوام کی حقیقی دادرسی بھی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری عدلیہ ہر قسم کے حکومتی دباؤ سے آزاد ہو کر صرف اللہ اور رسول ﷺ کے عطا کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کرے

دعا ہے اللہ تعالیٰ وطن عزیز کی حفاظت فرمائے اور اسے خلافت کا گہوارہ بنائے۔ آمین [مرتب: محبوب الحق عاجز]

ایرانی انقلاب کا ڈراپ سین

شاہ بھاگ رہا ہے

سید قاسم محمود

ایرانی انقلاب کا آخری سین 11 جنوری 1979ء کو اُس وقت شروع ہُوا جب امریکا کے وزیر خارجہ سائرس وانس نے واشنگٹن سے اعلان کیا کہ شاہ چند ''ہفتوں'' کی تعطیل پر روانہ ہونے والے ہیں۔ پانچ روز کے بعد 16 جنوری کو وہ ایران سے رخصت ہو کر، اپنے دوسرے معاصر آمر مصر کے انور السادات کے مہمان بنیں گے۔ اِن آخری ایام کی داستان شاہ ایران کی انگریزی خودنوشت سے اُردو میں ترجمہ کی گئی ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اُس وقت کے ایران کے حالات آج کے پاکستان کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں (س۔ق۔م)

اس پورے عرصے کے دوران ہم دُعا کرتے رہے کہ کاش! ہمارے مخالفین نیک نیتی سے کام لیں۔ آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟ شہری آزادیاں اور حقوق، وہ اُن کو مل جائیں گے۔ وہ بدعنوانیوں سے اظہارِ نفرت کر رہے ہیں۔ اُن سے زیادہ ہم خود بدعنوانیوں کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔

بہر صورت ہم نے عزم کر رکھا تھا کہ طاقت کا سہارا نہیں لیں گے، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ ہمیں اُمید تھی کہ جس سنگین بحران سے ہم گزر رہے ہیں، وہ بھائی چارے اور مصالحت و مفاہمت کی فضا میں آئینی طور پر حل ہو جائے گا اور کوئی بہتری کی سبیل پیدا ہو جائے گی۔ ہمارا خیال تھا کہ ایک ایسی سول حکومت جس میں حزبِ اختلاف بھی شامل ہو، مظاہروں پر قابو پا لے گی اور ملک پھر امن و امان اور کام کاج کی راہ پر چل پڑے گا۔

چنانچہ ہم نے سب سے پہلے ڈاکٹر صادقی سے رجوع کیا۔ وہ نیشنل فرنٹ کے رہنما تھے اور بڑے مخلص اور مُحبِّ وطن۔ وہ کسی شرط کے بغیر مخلوط حکومت بنانے پر راضی ہو گئے۔ لیکن غور و فکر کے لیے ایک ہفتے کی مہلت چاہی۔ لیکن اُن پر اُن کی پارٹی کا دباؤ پڑا تو وہ مخلوط حکومت بنانے سے جو منحرف ہو گئے، البتہ ہم سے مطالبہ کیا کہ ہم ایران ہی میں رہیں (باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیں) اور ایک ریجنسی کونسل بنا دیں۔ یہ ہمارے لیے قابلِ قبول نہ تھا، کیونکہ اس کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ ہم حکمران بادشاہ کے فرائض دینے کے نااہل ہیں۔ (ڈاکٹر موصوف واحد سیاست داں تھے، جنہوں نے ازراہِ خلوص ہم سے کہا تھا کہ کسی قیمت پر بھی ایران نہ چھوڑیں)۔

سنجابی اور مہدی بازرگان نے تہران واپس آ کر حکومت کے خلاف ایسی شدید اور زبردست مہم چلائی تھی اور ایسے غیر آئینی اور غیر قانونی بیانات دیئے تھے کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مسٹر سنجابی نے قید خانے سے ہم کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔ پیغام رسانی کے لیے انہوں نے خود ساواک (ایجنسی) کے سربراہ کو استعمال کیا۔ یعنی اُسی جنرل مقدم کو، جو آموزگار کے عہدِ حکومت میں ایک مذہبی رہنما کا پیغام ہمارے لیے لائے تھے، اور جن کو انقلاب کے فوراً بعد شاید انہی خدمات کے عوض گولی سے اُڑا دیا گیا تھا۔ ہم پہلے ہی ہر قیمت پر مصالحت و مفاہمت کے لیے تیار تھے۔ اس لیے ہم نے مسٹر سنجابی کی رہائی کا حکم دیا اور انہیں باقاعدہ ملاقات کے لیے مدعو کیا۔ ملاقات کے وقت انہوں نے ہمارے ہاتھ چومے، ہماری ذات سے وفاداری کا پُرجوش اظہار کیا اور کہا کہ وہ حکومت بنانے کے لیے تیار ہیں، مگر ایک شرط پر کہ ہم تعطیلات کے بہانے ایران سے چلے جائیں۔ انہوں نے نہ تو یہ کہا کہ ہماری روانگی سے پہلے کسی نوعیت کی ریجنسی کونسل بنائی جائے...... جس کی تشکیل آئینی لحاظ سے ضروری تھی...... نہ یہ کہا کہ پارلیمنٹ سے اِس اقدام کی منظوری لے لینی چاہیے۔ ہم نے یہ غیر آئینی راستہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ سلسلۂ مذاکرات جاری رہنا چاہیے، تاوقتیکہ کوئی نتیجہ خیز حل برآمد نہ ہو جائے، لیکن صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

کیا اِن سیاست دانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ملک تباہی کے کنارے پہنچ گیا؟ کیا انہیں اِس امر کا ذرا بھی احساس نہ تھا کہ اب مسئلہ اجارہ داری، مراعات یا کسی سیاسی پارٹی کی برتری کا نہیں رہ گیا تھا بلکہ اب مسئلہ ملک کی زندگی اور موت کا بن گیا تھا۔

بازاروں اور گلیوں میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو مظاہرے ہو رہے تھے، وہ یقیناً بہت زیادہ تشویش ناک اور پریشان کن تھے، لیکن ان سے بھی زیادہ تشویش اور پریشانی اس بات کی تھی کہ معاشی بے چینی اور بدامنی ملک کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ملک دیوالیہ ہو رہا تھا۔ ہڑتال پر ہڑتال ہو رہی تھی۔ کوئی دن نہ جاتا تھا جب ہڑتال نہ ہوتی ہو۔ تیل کی پیداوار جو 58 لاکھ بیرل تک پہنچ گئی تھی، وہ گھٹ کر 25 دسمبر کو فقط 17 لاکھ بیرل رہ گئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ معاشی لحاظ سے ملک تباہ حال ہو رہا ہے۔ سوویت رُوس کو گیس کی فراہمی منقطع ہو گئی تھی۔ ایسی بُری صورتِ حال کو مزید ایک دن کے لیے بھی برقرار نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

یہ وقت تھا کہ نیشنل فرنٹ کے ایک سرکردہ لیڈر، ڈاکٹر شاہ پور بختیار نے، ساواک ہی کے سربراہ کی وساطت سے ہم سے رابطہ قائم کیا اور ملاقات چاہی۔ اُن سے ہمارا پہلے بھی اگست سے مسٹر آموزگار کے ذریعے رابطہ رہ چکا تھا۔ آموزگار اُس وقت وزیر اعظم تو نہ رہے تھے، لیکن بڑی حکمت اور دانائی سے ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ ہم اُس وقت ہی سے مخلوط حکومت بنانے کی خواہش رکھتے تھے، لیکن حزبِ اختلاف کے بعض رہنماؤں کی شدت پسندی کے باعث یہ خواہش شرمندۂ تکمیل نہ ہو رہی تھی۔ نیشنل فرنٹ کے مسٹر سنجابی تو اشتعال انگیز تقریروں پر اُتر آئے تھے، لیکن ڈاکٹر بختیار کا طرزِ عمل بڑا محتاط اور مدبرانہ تھا۔

چنانچہ ایک شب وہ جنرل مقدم کی ہمراہی میں ہم سے ملاقات کے لیے محل پر تشریف لے آئے۔ بڑی دیر تک مسائل حاضرہ پر گفتگو ہوتی رہی۔ ڈاکٹر بختیار نے ایک طرف تو ہمیں اپنی غیر معمولی وفاداری کا یقین دلایا اور دوسری طرف یہ بھی دلائل سے ثابت کیا کہ وہ واحد شخص ہیں جو موجودہ بحران میں حکومت بنا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر بختیار نے تجویز کیا کہ ''تعطیلات'' پر ایران سے باہر چلے جانے سے پہلے، آئین کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ریجنسی کونسل بنائی جائے اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے اِس اقدام کی منظوری لی جائے۔ ہمارے لیے یہ بات قابلِ قبول تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بختیار نے بغیر کسی مشکل یا رکاوٹ کے ایک سول کابینہ بنائی، جس کی منظوری

ایوانِ زیریں نے 43 کے مقابلے میں 149 ووٹوں سے دی۔

ایوانِ بالا یعنی سینیٹ میں کابینہ کی منظوری اور بھی زیادہ اکثریت اور سہولت سے حاصل ہو گئی، لیکن بدقسمتی سے انہوں نے جو پروگرام بنایا تھا، وہ اُسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ انہوں نے اپنا پروگرام قوم کو اعتماد میں لینے کے لیے ٹیلی ویژن پر آ کر بتایا۔ دنیا بھر سے تہران میں جو خصوصی سفارتی نمائندے جمع ہوئے تھے، اُن کو تفصیل سے بتایا، مگر ہُوا یہ کہ نیشنل فرنٹ میں اُن کے ساتھی اُن کے دشمن بن گئے اور انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا پتہ صاف کرنے کا ارادہ کرلیا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اُس وقت ملک کے رہنماؤں کو نہ تو امن وامان بحال کرنے سے کوئی غرض تھی، نہ معاشیات کا پہیہ چلانے سے کوئی دلچسپی تھی۔ انہیں صرف شاہ کا سر چاہیے تھا اور کچھ نہیں۔ ہمارے اکثر دوستوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ چند ہفتوں کے لیے ہم ایران سے چلے جائیں تاکہ یہ وقتی جوش ٹھنڈا پڑ جائے، لیکن اس کے برعکس فوجی جنرل اِس حل کے سخت خلاف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر آپ چلے گئے تو ہر چیز ختم ہو جائے گی۔

ایران کے واقعات وحالات دنیا بھر کے اخباروں کی شہ سرخیاں بنے ہوئے تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اُس وقت ملک کے رہنماؤں کو نہ تو امن وامان بحال کرنے سے کوئی غرض تھی، نہ معاشیات کا پہیہ چلانے سے کوئی دلچسپی تھی۔ انہیں صرف شاہ کا سر چاہیے تھا اور کچھ نہیں

ہم کئی ہفتے مسلسل سوچتے رہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ دن بیت چکے ہیں اور نوشتۂ دیوار سامنے ہے۔

ایک عرصے تک یعنی کوئی دو سال تک ہمیں بعض امریکی دوستوں کا رویہ بہت پریشان کرتا رہا تھا۔ ہمیں خوب معلوم تھا کہ وہ ہمارے فوجی پروگرام کے سخت خلاف ہیں۔ وہ تو علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ جو امریکی ماہرین ایران میں ہمارے فوجیوں کو نئے اسلحے کی ٹیکنالوجی سکھا رہے ہیں، ایک روز سوویت رُوس اُن کو اپنا یرغمالی بنا لے گا۔ اُن کا مطلب اور نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایران اور امریکا کے مابین جو دوطرفہ فوجی معاہدہ ہے، اُسے منسوخ کر دینا چاہیے۔ اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ اگر ایران پر کسی اشتراکی ملک نے حملہ یا قبضہ کیا تو امریکا ہماری مدد کو پہنچے گا۔ امریکا کے مخالفین کی نکتہ چینی سُن سُن کر ہم عاجز آ گئے اور بالآخر ہم نے امریکی حکومت سے کہا کہ وہ موجودہ معاہدوں کے بارے میں اپنے رویے کی صراحت کرے۔

امریکی حکومت نے جواب دیا: ''امریکا اپنے معاہدوں کی ہمیشہ پاسداری کرتا ہے۔۔۔۔''

چند ماہ کے بعد اتفاق سے ہماری ملاقات ہمارے دوست نیلسن راک فیلر سے ہوئی۔ ہم نے ویسے ہی بے تکلفانہ اُن سے پوچھ لیا: ''کیا امریکا اور رُوس نے دنیا کو آپس میں بانٹ لیا ہے؟''

''ہرگز نہیں'' انہوں نے جواب دیا۔ ساتھ ہی یہ جملہ بھی کہا: ''جہاں تک مجھے معلوم ہے۔۔۔۔''

ستمبر 1978ء میں جب ایران میں صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی، امریکا اور برطانیہ کے سفیر مل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور اپنی تائید وحمایت کا یقین دلایا۔

گرمیاں شروع ہونے سے پہلے رُوسی سفیر سے بھی ہماری متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے بھی ہر بار ہمیں رُوس کی دوستی اور تعاون کا یقین دلایا۔ پھر وہ چھٹی پر چلے گئے اور چھٹی گزار کر واپس تہران آئے، تو پھر کبھی ان سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔

بہرصورت رُوس ایران میں پیدا ہونے والی نئی صورتِ حال سے گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ ہمیں ثبوت کی ضرورت تھی تو وہ ایک مضمون سے مل گیا، جو نومبر 1978ء کے آخر میں اخبار ''پراودا'' میں شائع ہُوا تھا۔ یہ مضمون ہمیں خبردار کر دینے کے لیے کافی تھا۔ مضمون میں لکھا تھا:

''رُوس، جو ایران سے اچھے پڑوسیوں کے سے تعلقات رکھتا ہے، پُرزور الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ وہ ایران کے اندرونی معاملات میں کسی کی بھی مداخلت کے سخت خلاف ہے، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو اور کسی بھی دلیل کی اساس پر ہو۔ ایران میں خالصتاً امن وامان کے لیے اندرونی مسائل پیدا ہو چکے ہیں اور اُن کو خود ایرانیوں کو حل کرنے چاہئیں۔ تمام ممالک کو اقوامِ متحدہ کے منشور اور اصولوں، اور دوسری بنیادی بین الاقوامی دستاویزات کی پاسداری کرنی چاہیے۔ تمام ممالک کو ایران اور اُس کی آزادی، خودمختاری اور اقتدارِ اعلیٰ کا احترام کرنا چاہیے۔ واضح رہے کہ ایران کے معاملات میں کسی قسم کی فوجی یا دوسری مداخلت، جس کی سرحدیں سوویت روس سے ملتی ہیں، رُوس کے مفادات اور سلامتی پر حملہ متصور کی جائے گی''۔

7 دسمبر کو امریکا نے سرکاری اعلان کے ذریعے وضاحت کی کہ امریکا کسی بھی حالت میں ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود امریکا اور برطانیہ کے سفیر ہم سے جب بھی ملے، انہوں نے ہم سے یہی کہا: ''ہم آپ کی حمایت کرتے ہیں۔''

1978-1979ء کے موسم خزاں اور موسم سرما کے دوران میں دونوں سفیر ہم سے یہی کہتے رہے کہ زیادہ سے زیادہ شہری آزادیاں بحال کی جائیں۔ ہم خود اِس کے حق میں تھے، لیکن اِس بحرانی کیفیت میں، جبکہ ہمارے پاس تربیت یافتہ لوگ بھی نہ تھے، ایک دم سے شہری آزادیوں کی بے محابا بحالی سے خطرناک نتائج برآمد ہونے کا احتمال تھا۔ اس کے پہلو بہ پہلو امریکا کے بہت سے سیاست دان اور خصوصی نمائندے جو وقتاً فوقتاً ہم سے ملتے تھے، وہ ہمیں سختی اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ جب ہم نے امریکا کے سفیر سے ایک مرتبہ یہ پوچھا کہ ثابت قدمی سے کیا مراد ہے تو انہوں نے جواب دیا: ''اس سلسلے میں مجھے اپنی حکومت سے کوئی ہدایت نہیں ملی''۔

اس سے چند ہفتے قبل امریکی ایجنسی سی آئی اے کا ایک نمائندہ ہم سے ملاقات کے لیے تہران آیا تھا۔ اُس کی گفتگو کے لب ولہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے معاملے کی نزاکت واہمیت کا احساس تک نہیں ہے۔ دورانِ گفتگو جب شہری آزادیوں کا ذکر چھڑا تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُسے اس مسئلے سے یا مشرقِ وسطیٰ کی سلامتی سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اور نہ اُسے ہدایت تھی کہ وہ اس مسئلے پر ہم سے مذاکرات کرے۔

جب تخریب کاروں نے برطانوی سفارت خانے کو آگ لگائی تو ہمارا ایک جنرل معذرت خواہی کے لیے برطانیہ کے فوجی اتاشی سے ملا۔ وہ ناراضی سے چیخا: ''اس مسئلے کا واحد حل سیاسی ہے''۔ دسمبر کے آخر میں سینیٹر محمد علی مسعودی نے ہمیں بتایا کہ امریکی سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری مسٹر جارج لیمبارکس نے انہیں رازداری میں بتایا تھا کہ ایران میں عنقریب ایک نیا عہد شروع ہونے والا ہے''۔

بہرحال برسوں سے جو لوگ ہمارے دوست بنے ہوئے تھے، اُن کے ترکش میں ابھی ہمارے لیے کئی اور تیر تھے۔

جنوری 1979ء کے آغاز میں ہم یہ سُن کر حیران رہ گئے کہ امریکی جنرل ہوسار کئی دن سے تہران میں خفیہ طور پر موجود ہیں، لیکن گزشتہ کئی ہفتوں میں ہونے والے واقعات سے ہم نے یہ سبق سیکھا تھا کہ ہر چیز ممکن ہے، اور کسی بات پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں، مگر پھر بھی ہمیں

ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت میں کئی بار تہران آ چکے تھے، اور جب بھی آتے تھے، وقت مقرر کر کے ہم سے ملتے تھے۔ یہ ملاقاتیں محض رسمی نہ ہوتی تھیں، بلکہ ''ضرورت'' کی ہوتی تھیں، کیونکہ ہم ایران کی مسلح افواج کے سربراہ تھے اور ایران ''سینٹو'' کا باضابطہ مستقل رُکن تھا۔

جنرل ہوسار کی سرگرمیوں کا منصوبہ ہمیشہ بہت پہلے سے مرتب کیا جاتا تھا، لیکن اب کے اُن کی آمد خفیہ رکھی گئی تھی اور ویسے بھی پُر اسرار تھی۔ امریکی جنرل اپنے جہازوں میں آتے جاتے ہیں، اور جب وہ اپنے فوجی اڈوں پر آتے ہیں تو کسی قسم کے آداب وضوابط اور رکھ رکھاؤ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

ہم نے اپنے جنرلوں سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ جنرل ہوسار کی آمد خفیہ اور پراسرار کیوں ہے؟ وہ بھی ہماری طرح کچھ نہیں جانتے تھے۔ آخر یہ شخص ایسے حالات میں یہاں کس مقصد سے آیا ہے۔ یقیناً کوئی خاص وجہ ہے۔ عام طور پر اگر کوئی شخص کسی خاص اور سنجیدہ ڈیوٹی پر مامور ہو تو وہ بلاوجہ اپنی حرکات وسکنات کو خفیہ نہیں رکھتا۔ جونہی ایران میں اس کی موجودگی کی خبریں شائع ہوئیں، رُوس نے اپنے ردِعمل کا اظہار کر دیا: ''جنرل ہوسار تہران میں فوجی بغاوت کرانے کے لیے بیٹھا ہوا ہے''۔ گویا یہ رُوس کی جانب سے ایک غیر سرکاری وارننگ تھی۔

پیرس سے ''نیویارک ہیرلڈ ٹریبون'' کے نمائندے نے سفارت کے برعکس پہلوؤں پر حاشیہ آرائی کی۔ اُس نے معاملے کو پلٹ کر دیکھا۔ اُس نے لکھا: ''جنرل ہوسار ایران میں فوجی بغاوت روکنے کے لیے گئے ہوئے ہیں''۔ تو گویا امریکا کے رہنما ایران میں فوجی بغاوت روکنے کی فکر میں غلطاں تھے۔ اُنھیں یہ خیال کیوں آیا؟ ہمارے تمام جنرل، افسر، عہدہ دار باضابطہ حلفِ وفاداری اٹھا کر تاج اور آئین کے تابع دار تھے۔ جب تک آئین اور اُس سے وفاداری کا جذبہ قائم ہے، بغاوت جیسی چیز بے معنی ہے۔

لیکن غالباً امریکا کے ذرائع ابلاغ ونشریات یہ شواہد رکھتے تھے کہ آئین کو خطرہ ہے اور وہ ٹوٹنے والا ہے۔ پس ایران کی فوج کو غیر جانبدار ہو جانا چاہیے۔ اور یہی بات فوجیوں کو سمجھانے کے لیے جنرل ہوسار ایران گئے۔ جنرل ہوسار سے ہماری ملاقات صرف ایک بار ہوئی، اور اُس وقت ہوئی جب امریکا کے سفیر مسٹر سلیوان بھی ہمارے پاس موجود تھے۔ ان دونوں کو کسی بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی، سوائے اُس دن اور وقت کے، جب ہم ایران کو الوداع کہیں گے۔ (جاری ہے)

بین المذاہب مکالمے کی بین الاقوامی کانفرنس

محمد سمیع

امت مسلمہ پر یہ برا وقت بھی آنا تھا کہ اغیار کے ہاتھوں جان و مال اور عزت و آبرو پر ان کے تابڑتوڑ حملوں سے مجبور ہو کر اس کے قائدین اس ''بلد امین'' میں بین المذاہب مکالمے کی بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کے مرحلے تک پہنچے، جہاں ایک تنہا ہستی ﷺ کی اٹھائی ہوئی دعوت نے مرحلہ بہ مرحلہ پیش قدمی کر کے آپؐ کی حیات مبارکہ ہی میں جزیرہ نمائے عرب کو مسخر کر لیا اور پھر یہ دعوت دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں کرۂ ارض کے ایک وسیع رقبے پر چھا گئی۔ اگرچہ اس کانفرنس کا انعقاد کافی تاخیر سے کیا گیا، بہر حال مظلومی کی اس کیفیت میں جس سے امت گزر رہی ہے، اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔

خادم حرمین شریفین کی جانب سے منعقد کی گئی اس کانفرنس میں شیخ الازہر اور عالم اسلام کے ممتاز اسکالر محترم ڈاکٹر محمد سید طنطاوی نے مسلم امہ پر گزرنے والی موجودہ صورتحال کی بالکل درست تشخیص فرمائی، جب انہوں نے فرمایا کہ ''ہم آج بھی ان مسائل میں الجھے ہوئے ہیں جن کو حل کر کے نہ شریعت کی پاسداری ہوتی ہے نہ ہی اچھے اعمال سے آخرت کی آراستگی، بلکہ ہمیں اپنے ہی مسلمان بھائی کو نیچا دکھا کر خوشی محسوس ہوتی ہے جو دین کے برخلاف ہی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی تضحیک کے مترادف ہے۔ اللہ اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے 'میں معاف کرنے والا اور عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہوں'، مگر اس کے برعکس اس کے عبادت گزار درگزر کے جذبات سے عاری، نرم خوئی سے دور اور دوسروں کے عیب بیان کر کے خوش ہو جانے والے ہیں''۔ شیخ الازہر کی تشخیص امت کے افراد پر نہیں بلکہ مذہبی فرقوں، نسلی، علاقائی اور لسانی جماعتوں سمیت مسلم اقوام پر بھی صادق آتی ہے۔ مذہبی فرقے ایک دوسرے کے عقائد کے خلاف سرگرم عمل ہیں جس کی انتہا ایک دوسرے کے خلاف تکفیر تک پہنچتی ہے۔ اقوام کا معاملہ لیا جائے تو ایران اور کویت سے عراق کی محاذ آرائی جو ایک طویل عرصے پر محیط رہی جس کے نتیجے میں نہ صرف ان مسلم اقوام کو ضعف پہنچا بلکہ جس امریکہ کے اکسانے پر یہ ساری مہم جوئیاں کی گئیں اس کے ہاتھوں انہیں ذلت ورسوائی اور دار و رسن کا سامنا کرنا پڑا۔ اب عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہم سب پر عیاں ہے۔ تو یہ معاملہ صرف افراد تک ہی محدود نہیں، اس میں وہ تمام گروہ ملوث ہیں جن کا ذکر اوپر کی سطور میں آ چکا ہے۔ ویسے بھی علامہ اقبال نے فرمایا تھا ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

تو افراد ملت موج دریا ہی میں بہے جا رہے ہیں۔ ان تمام حالات کے باوجود اگر محترم شیخ الازہر کی آنکھیں بقول ان کے عالم اسلام کو متحد ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہیں جب امت مسلمہ فروعی اور فرقہ وارانہ اختلافات بھلا کر ایک بڑے مقصد کے لئے متحد ہو جائے گی، تو یہ ان کی ہمت ہے۔ میں اسے ان کی خوش فہمی قرار دینے کی جرأت تو نہیں کر سکتا کہ یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی۔ اس کا جو علاج انہوں نے تجویز فرمایا ہے وہ بھی کافی وشافی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، قرآن سے ہدایت اور سنت سے محبت۔ انہوں نے آگے جو کچھ فرمایا ہے کہ ''پھر نہ جانے ہم سب نے کامیابی تک پہنچنے کے لئے اپنی اپنی مرضی کے راستے کہاں سے نکال لئے ہیں''، اس کا سبب بالکل واضح ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دیکھ جائیے۔ دورِ خلافت میں لوگوں کی

> طاقت یا تو ہمارے دشمنوں کے پاس ہے یا ہمارے حکمرانوں کے پاس۔ ہدف دونوں کا مسلمان عوام ہیں۔ وہ دو چکی کے بیچ میں پس رہے ہیں۔ پتہ نہیں کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا

مرضی نہیں چلتی تھی بلکہ قرآن وسنت کی تشریح کے لئے خلافت کا ادارہ موجود تھا۔ اگر اس دوران کچھ لوگوں نے اپنی مرضی کی تشریحات کرنے کی کوششیں کیں تو امیر المومنین نے بروقت ان کی اصلاح کی۔ آج خلافت کا ادارہ نہ ہونے کی بناء پر علماء پر یہ ذمہ داری آن پڑی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو علماء اتنے قدامت پرست ہوگئے کہ انہوں نے اجتہاد کی قطعی نفی کردی اور طالبان دور میں قاضی القضاۃ کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ ہمارے اسلاف نے جو اجتہادات کئے ہیں وہ ہمارے لئے کافی ہیں اور ہمیں مزید کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ یا پھر اس کے برعکس کچھ علماء اتنے ''روشن خیال'' ہوگئے کہ قرآن وسنت کے منصوص احکام مثلاً ارتداد کے حوالے سے شریعت کے منافی اجتہادی فیصلے دینے شروع کردیئے۔

علماء کا فرض تھا کہ وہ احیائے خلافت کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے لیکن انہوں نے جہاد کو قتال کا درجہ دے دیا اور چونکہ قتال فرض کفایہ ٹھہرا، لہٰذا جہاد بھی فرض عین نہیں رہا بلکہ فرض کفایہ بن گیا۔ اور جب جہاد فرض کفایہ قرار پایا تو احیائے خلافت کے معاملہ کو تو پس پشت جانا تھا ہی۔ ایک طرف امریکی صدر کو خوف ہے کہ مسلمان ہسپانیہ سے انڈونیشیا تک خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے اپنی ایک تقریر میں کیا تو دوسری طرف افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک احیاء خلافت کی وہ اہمیت نہیں رہی جو ہونی چاہئے تھی۔ اب جو محترم شیخ الازہر نے یہ فرمایا ہے کہ ''کامیابی تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، قرآن سے ہدایت اور سنت سے محبت میں چھپی ہوئی ہے۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی یہ بات سو فیصد درست ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے قرآن سے ہدایت اخذ کرنے کا ذریعہ عوام کسے بنائیں، آیا ان حکمرانوں کو جنہوں نے اپنے اقتدار کے دوام کے لئے، اغیار کے سامنے مسلم اقوام کا سافٹ امیج بنانے کے لئے اپنے معاشرے میں مخلوط میراتھن ریس کو فروغ دینے کی کوششیں کیں، بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو اپنے ہاں عام کیا اور اللہ تعالیٰ کی حدود میں دراندازی کے لئے حدود آرڈیننس میں ترامیم کیں اور ''مفتی اعظم'' بن کر پردہ اور داڑھی کو فرسودگی کی علامت قرار دینے کا فتویٰ جاری کیا۔ یا پھر عوام ان علماء کے نقش قدم پر چلیں جنہوں نے قرآن مجید کو کتاب ہدایت کی بجائے محض کتاب مقدس بنادیا کہ تلاوت کئے جاؤ، ثواب حاصل کئے جاؤ اور اپنے مردوں کو بانٹتے جاؤ اور خبردار قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

محترم علامہ یوسف قرضاوی کی باتوں نے شرکاء کانفرنس کی روحوں کو خوب گرمایا جب انہوں نے فرمایا ''میں کیسے ان سے مکالمہ کروں جو مجھے اور میرے دین کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ میں کیسے ان سے بات کروں جو مجھے انسان ہی نہیں سمجھتے اور میں کیسے ابو طالب کے بھتیجے ﷺ کا یہ اعلان بھول جاؤں کہ چچا جان! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں، تب بھی میں حق کہنے سے نہیں رکوں گا۔ میں ان یہودیوں سے بات کرنے کو تو تیار ہوں جو ظلم کو ظلم کہتے ہیں مگر ان سے کیسے ہاتھ ملاؤں جو خود ظلم میں شریک ہوں۔''

ان کی ساری باتیں بجا لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ کیا بین المذاہب مکالمہ کی کوئی دعوت کسی غیر مسلم قوم کی طرف سے آئی ہے یا یہ کہ اغیار کے ظلم سے تنگ آکر ہم ان سے مکالمہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ آج امت جس ذلت وخواری کا شکار ہے اس کی اصل وجہ تو یہی ہے کہ ہم نے من حیث الامت اللہ کے رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل سے انحراف کر رکھا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا معیار بالعموم آپ کی سنت عادت پر عمل رہ گیا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو سنت دعوت پر عمل پیرا ہیں۔ اس حد تک تو پھر بھی کچھ لوگ کام کر رہے ہیں لیکن اس دعوت کے نتیجے میں سنت اقامت کے مراحل امت میں کیوں نہیں آرہے ہیں، یہ اپنی جگہ غور طلب معاملہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس اتحاد امت کی باتیں اس کانفرنس میں ہوئی ہیں وہ صرف اور صرف احیائے خلافت کے ذریعہ ہی ممکن ہے جس سے ہم غافل ہیں۔

اعلان مکہ میں غیر شرعی جنسی تعلقات اور معاشرے میں بڑھتی ہوئی عریانی وفحاشی پر بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے خاندانی نظام کو مضبوط کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جن پر اللہ تعالیٰ نے فرض کر رکھا ہے، وہ اپنے اس فرض سے کیوں غافل ہیں؟ بلکہ بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن امور پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے وہ اکثر و بیشتر مسلمان حکمرانوں کی زیر سرپرستی جاری ہیں۔ خواتین کی ترقی کے نام پر جب انہیں شمع خانہ کی بجائے شمع محفل بنا کر قرآنی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی کی جانے لگے تو عریانی وفحاشی کو فروغ حاصل نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

بین المذاہب مکالمے کے لئے کوششیں قابل تحسین ہیں لیکن ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آرہی ہے۔ حضور ﷺ نے مکہ کے تیرہ سالہ دور میں عقائد کی تبلیغ فرمائی اور اپنے صحابہ کرامؓ کو صبر کی تلقین فرماتے رہے، چاہے کفار کے تشدد کے نتیجے میں جان پر بن آئے، جوابی کارروائی کی ممانعت فرمائی لیکن اپنے دین توحید پر ڈٹے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اس تیرہ سالہ تربیت نے صحابہ کرامؓ کو اس قابل بنایا کہ وہ ہجرت کے بعد باطل سے مسلح تصادم پر آمادہ ہوئے۔ آج بھی ہمارا اصل کام یہ ہے کہ ہم اپنی تمام تر توجہ تربیت اور فراہمی قوت پر فوکس کردیں اور اس وقت تک جوابی کارروائی سے پرہیز کیا جائے جب تک مقابلے کے لیے ہمارا خاکستر نظم اعتماد کا شاہکار نہ بن جائے ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جذبہ کے تحت کی گئی بعض کارروائیوں سے مغرب کو مسلمانوں پر تشدد کا جواز مہیا ہوگیا۔ بدقسمتی سے مسلم حکمران بھی دشمنوں کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ عوامی امنگیں اس کے برخلاف ہیں لیکن نام نہاد دہشت گردی کے خلاف طاغوتی جنگ میں ثابت قدم رہنے کے عزائم کا اب بھی اظہار ہوتا رہتا ہے۔ طاقت یا تو ہمارے دشمنوں کے پاس ہے یا ہمارے حکمرانوں کے پاس۔ ہدف دونوں کا مسلمان عوام ہیں۔ وہ دو چکی کے بیچ میں پس رہے ہیں۔ پتہ نہیں کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بین المذاہب مکالمہ کا اہتمام ضرور کیا جائے۔ لیکن اپنے سرپھروں کے ساتھ تو وہ معاملہ نہ کیجئے جو دشمن کر رہے ہیں۔ وہ آپ سے مذاکرات کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اس خیرات کا آغاز اپنے گھر سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

> علامہ یوسف قرضاوی کی باتوں نے شرکاء کانفرنس کی روحوں کو خوب گرمایا، جب انہوں نے فرمایا: '' میں کیسے ان سے بات کروں جو مجھے انسان ہی نہیں سمجھتے۔ میں ان یہودیوں سے بات کرنے کو تو تیار ہوں جو ظلم کو ظلم کہتے ہیں، مگر ان سے کیسے ہاتھ ملاؤں جو خود ظلم میں شریک ہوں

حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے

رحمت اللہ بٹر

کسی شخص میں دوسرے کے بارے میں کینہ، غل اور بغض پیدا ہو جائے تو اس کا ظہور حسد کی صورت میں ہوتا ہے اور غیبت بھی اس کے اظہار کی ایک صورت ہے۔ حسد یہ ہے کہ انسان یہ چاہے کہ اللہ نے دوسرے آدمی کو جو حیثیت عطا کی ہے، وہ اس کے پاس نہ رہے۔ اس کیفیت کا ذکر سورۃ النساء یوں بیان کیا ہے:

"جو اللہ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں تو ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔" (آیت:54)

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا:

"بہت سے اہل کفار اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے، بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔" (آیت:109)

غل اور حسد ایسی بیماری ہے کہ اس سے کوئی بری نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تین باتیں ایسی ہیں جس سے کوئی خالی نہیں۔ ایک ظن، دوسرے بدفالی اور تیسرے حسد۔ مگر میں تم کو ان سے نجات کی صورت بتائے دیتا ہوں کہ جب کوئی ظن دل میں گزرے تو اس کو ٹھیک نہ جانو، اور جب شگون بد ہو تو اپنا کام کیے جاؤ اور جب حسد پیدا ہو تو خواہش نہ کرو۔"

قرآن حکیم میں حاسد کے حسد سے پناہ کی تلقین اور دعا سکھائی گئی ہے۔ سورۃ الفلق میں فرمایا:

"کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے اور گنڈوں پر (پڑھ پڑھ) پھونکنے والیوں کی برائی سے اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔"

حسد اس لیے مذموم شے ہے کہ یہ اصل میں کار بیگانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا پر ناراضی کا اظہار ہے کہ اللہ نے فلاں شخص کو یہ نعمت کیوں عطا کی ہے۔ حالانکہ کسی پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو دیکھ کر تو منافست پیدا ہونی چاہیے جسے غبطہ کہا جاتا ہے۔

حسد کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ حقیقت دنیا کے حوالے سے صحیح شعور کی عدم موجودگی ہے۔ بالعموم ہم دنیا اور اُس کے مال و متاع کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں حالانکہ دین اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے دنیا اور اُس کا مال و متاع کامیابی نہیں، آزمائش کا ذریعہ ہے۔ اللہ کسی کو زیادہ دے کر آزماتا ہے اور کسی کو تنگ دست بنا کر آزمائش کرتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

حسد کی آگ میں کیوں جل رہا ہے
کفِ افسوس کیوں مل رہا ہے
خدا کے فیصلے سے کیوں ہو ناراض
جہنم کی طرف کیوں چل رہا ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حسد سے بچو، کیوں کہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی یا گھاس کو۔ (رواہ ابوداؤد)

یہی حسد تھا جس نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو شرمندگی دلوائی اور یہی حسد تھا جس کی بنیاد پر قابیل نے ہابیل کو قتل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نذر و نیاز کیوں قبول فرمائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو آپس کے معاملات اور تعلقات کے ضمن میں جن باتوں سے منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک حسد بھی ہے۔ فرمایا:

"آپس میں بغض نہ رکھو، نہ ایک دوسرے کے ساتھ حسد کرو اور نہ باہم دشمنی رکھو اور نہ باہم قطع تعلقی اختیار کرو اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی بندہ مسلم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد قطع تعلق کرے۔" (متفق علیہ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، اب اس راہ سے ایک جنتی تمہارے سامنے آئے گا۔ اتنے میں ایک انصاری صحابی بائیں ہاتھ میں جوتیاں لیے ہوئے، داڑھی سے پانی ٹپکتے ہوئے نمودار ہوئے، اور السلام علیکم کہا۔ دوسرے دن آپؐ نے پھر وہی کلمات فرمائے۔ اس دن بھی وہی شخص آیا۔ تیسرے دن بھی وہی ماجرا ہوا۔ جب آپؐ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو العاصؓ اس شخص کے پیچھے گئے اور بہانہ بنا کر اس کے مکان میں تین راتیں سوئے، تا کہ اس کے اعمال دیکھیں۔ معلوم ہوا کہ رات کو ہر کروٹ پر وہ انصاری ذکر الٰہی کرتے ہیں اور جب بھی کوئی کلمہ کہتے ہیں بہتر ہی کہتے ہیں۔ تین دن کے بعد حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے عمل کچھ زیادہ دکھائی نہ دیئے۔ تب میں نے اپنے بہانہ کر کے ساتھ رہنے کی وجہ بتائی کہ تمہارے بارے میں مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے جنتی ہونے کے الفاظ سنے تھے، جس پر فیصلہ کیا کہ میں وہ عمل دیکھوں جس کی بنا پر تم جنتی ٹھہرے۔ عمل تو تمہارا زیادہ نہیں ہے، پھر اس رتبہ کی وجہ کیا ہے؟ ان انصاریؓ نے فرمایا کہ یہی عمل ہے جو آپ نے دیکھا ہے۔ جب میں ان کے پاس سے چلا تو انہوں نے واپس بلا کر فرمایا کہ ایک بات ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو عطا کر رکھی ہے، اس پر میرے دل میں کچھ کدورت اور حسد نہیں آتا۔ میں نے کہا: یہی بات ہے جس سے تمہیں یہ رتبہ ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حسد سے بچائے اور اگر پیدا ہو تو اس کی خواہش اور تمنا سے محفوظ رکھے۔ آمین اِسی حسد کی وجہ سے انسان کے دل میں غل پیدا ہوتا ہے جو ایک صاحب ایمان کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو دعا ایمان والوں کو سکھائی ہے اس میں اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی گئی ہے

"اے ہمارے رب! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کی حالت میں فوت ہو گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے غل پیدا نہ فرما۔ اے رب! ہمارے بیشک تو بہت شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔"

آدمی کو جس شخص سے حسد ہوتی ہے، اُس کی غیر حاضری میں اس کے عیب بیان کرتا ہے، تا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت نہ رہے اور سوئے ظن پیدا ہو جائے اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں۔

امریکی حملہ اور وزیر دفاع کے خیالات

محبوب الحق عاجزؔ

مہمند ایجنسی میں امریکہ جارحیت کے بعد وزیر دفاع چودھری احمد مختار نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کو اپنے اتحادیوں کے خلاف حملہ زیب نہیں دیتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اتحادی افواج نے پاکستانی سرحد میں داخل ہو کر حملہ نہیں کیا، بلکہ یہ فضائی حملہ تھا۔ پاکستان کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں کہ 30 ہزار فٹ بلندی پر پاکستانی حدود میں داخل ہونے والے طیاروں کا پتہ چلا سکے، اور اُن کے حملے کو روک سکے۔ ہمارے پاس صلاحیت ہوگی تو اِن حملوں کا جواب بھی دیں گے۔ وزیر دفاع کا کہنا تھا کہ پاکستان نے اپنی سرحدوں کی خلاف ورزی اور فوجیوں کے جاں بحق ہونے پر امریکہ اور اتحادیوں سے سخت احتجاج کیا ہے اور معاوضہ کا مطالبہ کیا ہے۔

میں نے وزیر دفاع کا یہ بیان پڑھا، تو سر دھنتا رہ گیا۔ غور کیا جائے تو یہ بیان بزدلی، حماقت، شکست خوردگی اور بے چارگی کا شاہکار دکھائی دیتا ہے۔ جس ملک کے وزیر دفاع کی جرأت اور بصیرت کا یہ عالم ہو، اُس کا اللہ ہی حافظ ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اپنے بیان میں وزیر موصوف نے ایک بار بھی اِس فضائی حملے کی مذمت نہیں کی، حالانکہ وزیر خارجہ، حکومت پاکستان، اپوزیشن رہنماؤں اور عوامی حلقوں کی جانب سے اِس کی واضح طور پر مذمت کی گئی ہے۔ اُن کی یہ منطق بھی لاجواب ہے کہ چونکہ ہمارے پاس 30 ہزار فٹ کی بلندی سے ہونے والے حملے کو روکنے کی صلاحیت نہیں ہے، اس لیے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر اُن کے اِس استدلال کو درست مان لیا جائے تو مطلب یہی ہو گا کہ اگر ہم پر غیر ملکی جارح طاقت جارحیت کرے، اور ہم اُس کا جواب نہ دے سکتے ہوں، تو پھر اُس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا جائے۔ اور ہمیں ملکی سرحدوں کی خلاف ورزی اور انسانی جانوں کے ضیاع پر بالکل تشویش نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں، اپنے خلاف ہونے والی ننگی جارحیت کے بعد لاشوں کی گنتی کر کے جارح سے معاوضہ طلب کر لیا جائے۔ کورنش بجالاتے ہوئے کہا جائے کہ حضور آپ نے ہمارے اتنے لوگ مار دیے ہیں، براہ کرم ہمیں اِس کا معاوضہ دیجیے۔ وزیر دفاع جس شخصیت کو ''قومی اثاثہ'' قرار دیتے ہیں، اُس نے بھی یہی بزدلانہ پالیسی اپنائی اور مجاہدین کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلا، انہیں گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کیا اور اِس کے عوض ڈالر بٹورتے رہے، آج احمد مختار صاحب بھی سرحدی خلاف ورزی اور قیمتی جانوں کے ضیاع کو روکنے کی بجائے لاشوں کا معاوضہ مانگ رہے ہیں۔

کیا وہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ انہوں نے اپنے ایک ہم وطن کی لاش کی کیا قیمت لگائی ہے، اور ایک سرحدی خلاف ورزی کو خاموشی سے سہنے پر کتنے ڈالروں پر راضی ہوئے ہیں۔

وزیر دفاع ایک کاروباری شخصیت ہیں۔ وہ تجارت اور حساب کتاب کے یقیناً ماہر ہوں گے، تب ہی تو اِس فیلڈ میں وہ معروف ہیں، اور بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دورِ اقتدار میں انہیں وزارت تجارت کا قلمدان دیا تھا، لیکن دفاعی امور کی جانکاری سے انہیں کیا واسطہ۔ وزارت دفاع انہیں سوٹ نہیں کرتی۔ یہ کام دفاعی ماہرین کا ہے۔ دفاعی معاملات میں تاجرانہ نفسیات نہیں چلتی، یہاں حکمت عملی اور جرأتمندی کا سکہ چلتا ہے۔ یہ درست ہے کہ دفاع کے لیے جدید ٹیکنالوجی ہونا ضروری ہے، اگرچہ عسکری ٹیکنالوجی کے میدان میں دو طاقتوں کا ''کلیتہً'' ہم پلہ ہونا ضروری نہیں، لیکن اِس سے بڑی حقیقت جس سے کوئی بھی ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا یہ ہے کہ دفاع کے لیے ٹیکنالوجی سے بڑھ کر اہمیت جذبۂ حریت، ایثار و قربانی اور جرأتمندی و جواں مردی کی ہوتی ہے۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: 249)

''کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے اذن سے ایک چھوٹے (اور کمزور) گروہ نے ایک بڑے (اور طاقتور) گروہ پر فتح پائی۔''

ہماری تاریخ میں عہد نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں اِس کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ اہل اسلام نے اسلام کے غلبے و اقامت کی خاطر اپنے سے بڑی طاقت کو للکارا اور اپنی بہترین حکمت عملی، جذبۂ جہاد اور سب سے بڑھ کر اللہ کے مضبوط سہارے سے اُس پر فتح پائی۔ یہ بات ماضی ہی پر موقوف نہیں، قرآن نے جو اصول بیان کیا ہے وہ دائمی ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں بھی کئی ایسی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جب عزم و حوصلے اور جرأت و جذبۂ حریت نے عالمی طاقتوں کا غرور خاک میں ملا دیا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے، افغانستان کی غیور قوم نے وقت کی سپر پاور سوویت یونین کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ وہ روسی ریچھ کہ جس کے متعلق مشہور تھا کہ جس ملک میں گھستا ہے، وہاں سے واپس نہیں جاتا، لیکن دنیا نے دیکھا کہ اُسے جذبۂ جہاد اور جذبۂ حریت کے سامنے سرنگوں ہو کر افغانستان سے فرار ہونا پڑا۔ کہا جا سکتا ہے کہ تب افغانیوں کو امریکہ اور پاکستان کی تائید و حمایت حاصل تھی، لیکن آج تو افغان طالبان پوری دنیا کے معتوب ہیں۔ انہیں کسی دنیاوی طاقت کا سہارا حاصل نہیں۔ وہ اعلیٰ درجے کی ٹیکنالوجی سے بھی محروم ہیں۔ مادی پیمانوں سے اُن کی اور امریکی طاقت میں کوئی نسبت ہی نہیں، مگر اس کے باوجود وہ اللہ کے سہارے اور جذبۂ حریت سے سرشار ہو کر دفاعِ وطن اور تحفظ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور امریکہ کو ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ امریکیوں کی جان پر بنی ہوئی ہے۔ یہی حال عراق کا ہے، جہاں پر بے سروسامان مجاہدین نے امریکیوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ عراق اُن کے گلے کی ہڈی بن کر رہ گیا ہے، جسے اگلا جا سکتا ہے اور نہ نگلا جا سکتا ہے۔

دفاعی معاملات میں تاجرانہ نفسیات نہیں چلتی، یہاں حکمت عملی اور جرأتمندی کا سکہ چلتا ہے۔
یہ درست ہے کہ دفاع کے لیے جدید ٹیکنالوجی ہونا ضروری ہے، لیکن ٹیکنالوجی سے بڑھ کر اہمیت جذبۂ حریت، ایثار و قربانی اور جرأتمندی و جواں مردی کی ہوتی ہے

امریکہ اپنے تمام تر وسائل، بے مثال عسکری طاقت، جدید ٹیکنالوجی اور اتحادیوں کے سہارے کے باوجود وہاں سے ”باوقار فرار“ کی راہیں تلاش کر رہا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے صدر محترم ایوان صدر سے باوقار رخصتی کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ ذرا، ویتنام کی مثال پر غور کیجیے۔ امریکی فوجی طاقت اور ٹیکنالوجی کے مقابلے میں ویت نام کی کیا حیثیت تھی، مگر دنیا نے دیکھا کہ جذبۂ حریت کے آگے ٹیکنالوجی کو سرنگوں ہونا پڑا۔ ویت نامیوں نے امریکہ کو ایسے چرکے لگائے، اور ایسی عبرتناک شکست دی کہ جس کی کسک وہ صدیوں بعد بھی نہ بھلا سکیں گے۔ اِسی طرح کی صورتحال امریکیوں کو صومالیہ میں پیش آئی۔ صومالیہ براعظم افریقہ کا معاشی اور عسکری اعتبار سے ایک کمزور ملک ہے۔ 1993ء میں امریکہ نے صومالیہ پر ننگی جارحیت کی۔ مگر وہاں ایٹمی صلاحیت، میزائیل ٹیکنالوجی نہ ہونے کے باوجود کسی وزیر مشیر یا کسی وزیر دفاع نے اپنی کمزوری کا رونا نہیں رویا، بلکہ ملکی بقا و سلامتی کی خاطر جنرل فرح عدید کی فوجوں نے امریکہ کی سخت مزاحمت کی۔ اور جب اٹھارہ امریکیوں کی لاشوں کو دارالحکومت کی سڑکوں پر گھسیٹا، تو امریکہ کو رسواکن انداز میں وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔

وزیر دفاع پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ آزادی بہت قیمتی متاع ہے۔ اِس کے حصول اور بقا کا راستہ صعوبت اور قربانیوں کی پُرمشقت گھاٹیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ جو قومیں اپنے دفاع سے غافل ہو جاتی ہیں، آزادی سے محروم کر دی جاتی ہیں، اور تاریخ میں بطور عبرت باقی رہ جاتی ہیں۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں نے آٹھ سو برس تک حکومت کی، مگر جب عیش و آرام میں پڑ کر دفاع سے غافل ہو گئے، تو فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلہ کے ہاتھوں اُن کا اقتدار اور سلطنت چھن گئی۔ وہ اپنی ہی زمین پر محکوم اور اجنبی ہو گئے۔ یہاں تک اگلے سو سال میں اُس سرزمین سے اُن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ یہی معاملہ برصغیر میں مغلیہ سلطنت کے ساتھ ہوا۔ جب مغل حکمران عیش و عشرت کے دلدادہ ہو گئے، اور ذاتی اقتدار کی ہوس نے اندھا بنا دیا، اور انہوں نے ملک کے دفاع سے غفلت برتی، تو اُن کا اقتدار جاتا رہا اور برصغیر پر ہزار برس تک حکمرانی کرنے والے مسلمان انگریز کے محکوم ہو گئے۔ بہت سے مؤرخین کا خیال ہے کہ دہلی اور لال قلعے کے فتح ہو جانے کے بعد بھی بہادر شاہ ظفر اگر غدار مرزا الٰہی بخش کے کہنے پر مزاحمت پر عافیت کوشی کو ترجیح نہ دیتے، بلکہ مقبرہ ہمایوں پر اپنے سپہ سالار جنرل بخت خان کا گوریلا جنگ کا مشورہ مان لیتے، تو شاید مسلمانانِ ہند اور خود شاہ کو محکومی اور غلامی کی ذلت نہ اُٹھانا پڑتی۔

نائن الیون کے بعد صدر جنرل پرویز مشرف نے ایک نام نہاد امریکی دھمکی پر افغان مسئلہ پر امریکی جارحیت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، اِسی فیصلہ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ آج امریکہ ہماری اپنی سلامتی کے درپے ہو چکا ہے۔ وزیر دفاع کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ خود سپردگی اور شکست خوردگی کی علامت ہے۔ یہ قوم کا مورال گرانے کی احمقانہ سوچ ہے۔ نہیں، احمد مختار صاحب! ہم ایک خود مختار قوم ہیں، ہم اپنے وطن کا دفاع کر سکتے ہیں یہی نہیں، ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ہم اُس احمقانہ افغان پالیسی کو یکسر تبدیل کر دیں، جس نے ہمیں شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ اِس سلسلے میں وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے بہت اچھا کیا ہے کہ ایوان کے فلور پر تمام سیاسی جماعتوں کو دعوت دی ہے کہ ”دہشت گردی“ کے خلاف جاری پالیسی کو تبدیل کرنے کے لیے اکٹھے ہو کر مشاورت کریں۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اِس کا پہلا قدم یہ ہوگا کہ تسلیم کیا جائے کہ دہشت گردی کے نام پر لڑی جانے والی جنگ ہماری نہیں، امریکی جنگ ہے، جس کے ذریعے وہ عالم اسلام کے وسائل پر قبضہ اور اسلام اور اسلامی تحریکوں کا خاتمہ کر دینا چاہتا ہے۔ اور پھر دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ امریکہ کو صاف بتا دیا جائے کہ ہم تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اگر آئندہ ہم پر جارحیت کی گئی تو پوری قوت سے اس کا جواب دیا جائے گا۔ ہم نے پہلے بھی بہت غلطیاں کر لی ہیں، جن کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اب ہمارے پاس غلطیوں کی گنجائش نہیں۔ اگر موجودہ جمہوری سیٹ اپ نے بھی پرویز مشرف اور دسترخوانی قبیلہ کی غلط پالیسیوں کا تسلسل قائم رکھا، تو خاکم بدہن کوئی بڑا حادثہ رونما ہو سکتا ہے۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

بقیہ: اداریہ

اور ہم انتہائی مشکل میں پھنس جائیں گے، اِس لیے کہ اِس حال میں کہ اِس اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں، بجٹ سازی کے لیے معاشی یا اقتصادی ماہر کی نہیں شعبدہ باز کی ضرورت ہے اور اس کام کے لیے موجودہ شعبدہ بازوں سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟ یہ بجٹ زراعت دوست بجٹ کہلوانے کا حق رکھتا ہے اگر وہ سب کچھ کیا جائے جو کہا گیا ہے۔ آصف زرداری کے بیانات کے حوالہ سے جاوید ہاشمی نے کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے کہ اِن کے بیانات کو سمجھنے کے لیے خصوصی سیاسیات میں پی ایچ ڈی کرنا پڑے گی۔ اپنی سیاست کا بنیادی اصول آصف زرداری نے یہ بتایا ہے کہ پارلیمنٹ بالادست ادارہ ہو گی لیکن خود اپنے لیے پارلیمنٹ سے دور رہ کر بادشاہ گری کا رول پسند کیا ہے۔ قائد ایوان اُن کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ ججوں کی بحالی کا اُنہوں نے عزم کیا ہوا ہے۔ آصف زرداری پُرمغز سیاست دان ہیں۔ اُنہوں نے اس عزم کو عمل میں بدلنے کا کبھی وعدہ نہیں کیا، لہٰذا وہ اپنے عزم کو سنبھالے رکھیں گے اور کوئی اُنھیں وعدہ شکن نہیں کہہ سکے گا۔ الطاف بھائی کے مقرر کردہ کراچی کے میئر اب براہِ راست امریکہ مدعو ہوتے ہیں اور وہاں ہوم ڈیپارٹمنٹ سے مذاکرات کرتے ہیں جہاں پاکستان کے کسی مرکزی وزیر کی پہنچ بھی نہیں ہے۔ ہم اُن پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اِس ہفتہ میں پاکستان سمیت دنیا بھر میں فادر ڈے منایا گیا یعنی یورپ نے ہمیں پڑھایا ہے کہ کرسمس کے علاوہ بھی ایک دن اولڈ ہاؤس میں اپنے باپوں کی خبر لے لیا کرو۔ آج جبکہ لمحے لمحے کی قیمت ہے باپ کو ایک سال میں ایک چھوڑ دو بار ملاقات کا موقع فراہم کر دینا یقیناً اہل یورپ کی طرف سے فراخ دلی کا اظہار ہے۔ ہم مسلمانانِ پاکستان کس قدر سمجھدار ہیں۔ اِس کام میں بھی دنیا کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ ہم شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری بغل میں کتابِ زندہ ہے جو ہر پہلو سے ایک بے مثل شاہکار ہے، جس میں والدین کے حقوق کا اعتراف اور اُن کا زندگی بھر احترام فرض کیا گیا ہے۔ یہی ہماری پستی اور زوال کا اصل سبب ہے کہ ہم اِس کتابِ زندہ سے منہ موڑ کر امریکہ اور یورپ سے گندم کے ساتھ ساتھ فلاحی تعلیمات بھی وصول کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی لانگ مارچ اُس وقت تک کُلی خیر کی حیثیت سے نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، کوئی بجٹ عوامی بجٹ نہیں بن سکتا اور ہم اپنی قیادت کے شعبدہ بازی سے ڈھلوان سے لڑھکتے رہیں گے اور عالمی میدان میں فٹ بال بنے رہیں گے جب تک اِس کتاب زندہ کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رہنما نہیں بنائیں گے۔ قرآن کو رہنما بنا لو، دنیا تمہیں اپنا رہنما بنا لے گی۔ یہی قوت، ترقی اور عزت و احترام حاصل کرنے کا نسخہ کیمیا ہے۔

اسلام سے بے وفائی اور

روشن خیالی کی پذیرائی نے صدر کو بُرے دن دکھائے

زبیر احمد ظہیر

صدر مشرف مستعفی ہوں گے یا ان کا مواخذہ ہو گا......؟ یہ سوال اب عوامی آواز بن گیا ہے۔ اس عوامی آواز نے صدر کے گرد افواہوں کی ایسی دیوار چن دی ہے جس سے باہر نکلنا اب ناممکن سا ہو گیا ہے۔ طاقت اور اقتدار پونے نو سال تک صدر مشرف کا دوسرا نام بنی رہی۔ آج طاقت کا وہ سرچشمہ افواہوں کے سامنے بے بس ہے۔ اس تبدیلی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فطرت طاقت دیتی ہے اور جب اس کے قوانین سے انحراف کیا جائے تو پھر چھین بھی لیتی ہے۔ انسان کی سب سے بڑی طاقت نیک نامی ہوتی ہے۔ نیک نامی قدرت اور قسمت کا انمول تحفہ ہے۔ اس کی جب ناقدری کی جائے تو یہ روٹھ جاتی ہے اور پھر پلٹ کر نہیں آتی۔ ساکھ جب خراب ہو جائے تو طاقت میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ 12 اکتوبر 1999ء کو جب صدر مشرف اقتدار میں آئے، یہ وہ دن تھا جب صدر مشرف 16 کروڑ پاکستانیوں میں واحد خوش نصیب شخص تھے جنہیں کارگل ایشو سے وہ نیک نامی تحفے میں ملی تھی۔ صدر پہلے کارگل کے ہیرو بنے پھر انہیں جبری برخاست کیا گیا۔ یہ غلطی صدر مشرف کو مظلوم بنا گئی۔ کارگل اور مظلومیت نے مل کر صدر کی ساکھ کو چار چاند لگا دیے۔ قدرت ہر انسان کو عزت بنانے کا موقع دیتی ہے، اسے برقرار رکھنا خود انسان پر منحصر ہوتا ہے۔ صدر مشرف نے ساکھ جیسے قدرت کے انمول تحفے کو مذاق بنا لیا اور اس کا غلط مفہوم اخذ کر لیا۔ صدر مشرف نے اپنے آپ کو قوم کا خادم سمجھنے کی بجائے قوم کو ہانکنا شروع کر دیا۔ ایک فرد پوری قوم کو اپنی نفسیات پر نہیں ڈھال سکتا البتہ ایک فرد قومی نفسیات پر آسانی سے ڈھل جاتا ہے۔ یہ سادہ سی بات بھی صدر کی سمجھ میں نہ آئی اور انہوں نے پوری قوم کو اپنی راہ پر ڈالنے کی ٹھان لی۔ صدر مشرف نے اقتدار میں آتے ہی کتے کے پلے کو گلے لگا کر جس روشن خیالی کی ابتدا کی، بعد میں وہ خود صدر کے لیے وبال بن گئی۔ کارگل کے نام نہاد ہیرو کو قومی ہیرو ہونے کی غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے قوم کو روشن خیالی کا نعرہ دیا۔ اقتدار کے بھکاریوں نے ان کی خوب حوصلہ افزائی کی جس سے انہیں مزید آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا گیا اور انہیں قوم کا مزاج سمجھنے کی فرصت ہی نہ ملی جس کی وجہ سے اُن کی نیک نامی کو روشن خیالی نے دیمک کی طرح چاٹنا

> امریکا کو پاکستان کے عوام سے کوئی غرض نہیں۔ امریکا 16 کروڑ عوام سے بگاڑنے کا رسک لے سکتا ہے، نہ ان سے ڈیل کر سکتا ہے۔ وہ چڑھتے سورج کی طرح طاقت سے ڈیل کرتا ہے

شروع کر دیا۔ دن بدن صدر کی ساکھ متاثر ہونے لگی۔ سب سے پہلے سول سوسائٹی نے صدر کی حمایت کی۔ صدر نے این جی اوز کی خواتین کے مظاہروں کو پوری قوم کی آواز سمجھنے کی غلطی کر ڈالی۔ پھر کیا تھا، صدر مشرف اور روشن خیالی لازم ملزوم ہو گئے جس نے صدر مشرف کی ساکھ کو بری طرح مجروح کرنا شروع کر دیا۔ روشن خیالی کا لفظ ذہن میں آتے ہی صدر مشرف کا نام خود بخود ذہن میں آ جاتا ہے۔ اس روشن خیالی نے صدر کی نیک نامی میں کمی کرنا شروع کر دی۔

چیف آف آرمی اسٹاف کی تبدیلی کا اختیار صدر کے ہاتھ میں ہے۔ ق لیگ ان کے شانہ بشانہ ہے جسے سینٹ میں برتری حاصل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر پارلیمانی بساط لپیٹنے کی کنجی، 58 ٹو بی کے آئینی تالے سمیت ان کے پاس ہے۔ انہیں امریکی سفیر سے لے کر صدر بش تک پوری امریکی حکومت کی حمایت حاصل ہے، فوجی حمایت سے امریکا تک اور ق لیگ سے 58 ٹو بی تک طاقت اپنے ان تمام تر اسباب سمیت صدر مشرف کے پاس موجود ہے۔ لیکن اسلام آباد سے واشنگٹن تک پھیلے یہ تعلقات اور وسیع تر صدارتی اختیارات صدر کے کسی کام کے نہیں رہے۔ یہ سب کچھ صدر کو مہلت دلا سکتے ہیں، کمزوری ختم نہیں کر سکتے۔ یہ اسباب صدر کو مقبولیت واپس نہیں لوٹا سکتے۔ معلوم ہوا، طاقت امریکا اور فوج کی حمایت کا نہیں یہ ساکھ اور نیک نامی کا نام ہے۔ صدر مشرف کی عوامی ساکھ خراب کیا ہوئی، ق لیگ کے ترقیاتی کاموں پر پانی پھر گیا، اس کا مستقبل زنگ آلود ہو گیا۔ یوں صدر کی روشن خیالی نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا دے مارا۔ صدر کی روشن خیالی نے عسکری قوت اور نظریاتی طاقت کی لڑائی شروع ہوئی تو فوج کے خلاف خودکش حملے شروع ہو گئے۔ فوج اور عوام کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ دنیا کا بڑا سے بڑا سپہ سالار عوامی حمایت کے بغیر جنگ نہیں جیت سکتا۔

یہ معاملہ اکیلے موجودہ آرمی چیف کا نہیں، ان کی جگہ کوئی بھی آرمی چیف ہوتا، وہ ایک شخص کی خاطر پوری فوج کو سیکیورٹی رسک نہیں بنا سکتا تھا۔ امریکا جیسا مطلبی ملک پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ امریکا کو پاکستان کے عوام سے کوئی غرض نہیں۔ امریکا 16 کروڑ عوام سے بگاڑنے کا رسک لے سکتا ہے، نہ ان سے ڈیل کر سکتا ہے۔ امریکا چڑھتے سورج کی طرح طاقت سے ڈیل کرتا ہے۔ ان گزرے پونے نو برس میں جب طاقت صدر مشرف کے پاس رہی، امریکا نے سیاست دانوں کو منہ نہیں لگایا۔ انہیں اپنی وطن واپسی کے لیے التجائیں کرنی پڑتی رہیں مگر جب طاقت تبدیل ہوئی تو آج ان سیاست دانوں کو امریکی سفیروں سے جان چھڑانی اور ساکھ بچانی مشکل ہو گئی ہے۔ جس ملک کے سفیر کو سیاست دانوں سے رابطوں میں فرصت نہ ہو، اس کے صدر کا صدر مشرف کو ٹیلی فون کرنا جھوٹی تسلی کے سوا کچھ نہیں۔ امریکا نے ان پونے نو برس میں پاکستان کے ساتھ کتنی وعدہ خلافیاں کیں، یہ صدر مشرف سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ ان وعدہ خلافیوں کو بنیاد بنا کر نئی حکومت امریکی دباؤ کم کر سکتی تھی۔ یہ جرأت صدر مشرف اگر پہلے دن ہی کرتے تو آج ان کی ساکھ رسوا کن نہ ہوتی۔

صدر مشرف نے 16 کروڑ عوام کو آٹھ برسوں میں جو دکھ دیے ہیں، وہ آج بھی ان پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ اس کا انہیں ذرا بھی دکھ نہیں۔ صدر ایوب اور صدر مشرف کی روشن خیالی میں فرق اتنا ہے کہ صدر ایوب نے روشن خیالی کے باوجود غیرت مرنے نہیں دی تھی مگر صدر مشرف اس روشن خیالی میں اتنے آگے نکل گئے کہ یوں لگتا ہے ان کی غیرت روشن خیالی نے چرا لی ہے۔ صدر ایوب ایک متنازعہ لفظ برداشت نہ کر سکے اور مستعفی ہو گئے اور صدر مشرف کو گزشتہ برسوں میں کیا کچھ نہیں کہا گیا اور کہا جا رہا ہے مگر ان کی قوت برداشت کو داد دینا چاہیے کہ انہیں غصہ نہیں آیا۔ حقوق نسواں بل کی جب ق لیگ کے 40 ارکان نے مخالفت کی تب بھی صدر مشرف کو سمجھ نہ آئی۔ صدر مشرف جنہوں نے قوم کی بیٹیوں کو ناچ گانوں پر لگا دیا، ان کی ننگے سر سڑکوں پر دوڑیں لگوائیں، انہیں یہ تک معلوم نہ ہو سکا ان کے قریبی رفقاء میں درجنوں ایسے ہیں جن کی خواتین گھروں سے باہر نہیں نکلتیں۔ یہ غلطی صدر مشرف نے تنہا نہیں کی، دراصل آمریت خود غلط فہمیوں سے جنم لیتی ہے۔ یہی غلط فہمی ضیاء الحق مرحوم کو بھی تھی۔ ان کی اسلام پسندی کو دیکھ کر ان کے کئی رفقاء نے بغیر وضو نمازیں پڑھنی شروع کر دی تھیں۔ ضیاء کا اسلام بغیر وضو نمازوں سے نافذ نہ ہو سکا اور نہ ہی مشرف کی روشن خیالی سے پیدا ہونے والی فحاشی پاکستان کو یورپ بنا سکی۔ آمریت قومی مزاج سمجھ لے تو آمریت نہیں رہتی۔

عجیب اتفاق ہے کہ روس کے خلاف جہاد کے لیے جب کوئی حکمران آئے تو امریکی ضرورت کے مطابق ضیاء جیسے اسلام پسند آئے اور امریکا کی دہشت گردی کے خلاف جنگ سے قبل پاکستان میں جب کوئی آئے، تو مشرف جیسے روشن خیال آئے۔ یہ اتفاق ان کی روشن خیالی کو امریکا کی درآمدہ ثابت کرتا ہے اور اسے مشکوک بنا دیتا ہے۔ پھر جب این جی اوز کی روشن خیال خواتین صدر مشرف کے خلاف سڑکوں پر نکل آئیں۔ تب بھی صدر مشرف کا ماتھا ٹھنکا نہیں۔ 2004ء میں وردی اتارنے کے وعدے سے مکر کر صدر مشرف نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس کے بعد صدر مشرف ناقابل اعتبار ہونے لگے۔ بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں آپریشن سے صدر مشرف نے اپنی عزت گنوا دی اور ساتھ فوج کی ساکھ بھی مجروح کر دی۔ لال مسجد کے اندوہناک سانحہ نے ان کی عزت نیلام کر دی اور عدلیہ کی معطلی نے ان کی ساکھ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

اقتدار میں آنے کے بعد حکمران کی زندگی ذاتی زندگی نہیں رہتی۔ ذاتی روشن خیالی کو اجتماعی روشن خیالی سمجھنا پرویز مشرف کی وہ غلطی تھی جس نے آہستہ آہستہ ان کی طاقت کمزور کر دی۔ آخر آج کیا وجہ ہے کہ صدر کے حق میں مظاہرے کیوں نہیں ہوتے؟ ایک وقت تو صدر کو نزلہ ہوتا تھا فوری طور پر ان کے حق میں مظاہرے شروع ہو جاتے تھے۔ طاقت جس ساکھ کا نام ہوتی ہے، اسے صدر مشرف سے روٹھے ہوئے ایک مدت ہو گئی ہے۔ یہ ساکھ قدرت کا انمول تحفہ ہوتی ہے، ایک بار روٹھ جائے تو واپس نہیں آتی۔

پریس ریلیز — **16 جون 2008ء**

پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اس کے استحکام کی بنیاد صرف اسلام ہے

وطن عزیز کے استحکام کے لیے تاریخی، جغرافیائی یا لسانی کوئی عامل موجود نہیں، صرف اسلامی جذبہ ہی پٹھان، بلوچ، سندھی اور پنجابی کو متحد رکھ سکتا ہے

ڈاکٹر اسرار احمد

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور اس کے استحکام کی بنیاد صرف اسلام ہے۔ ان خیالات کا اظہار بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے پروفیسرز اور سینئر اساتذہ کے ایک اجتماع سے خطاب کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی ملک کے استحکام کے لیے بالعموم تاریخی، جغرافیائی یا لسانی جذبہ محرک بنتا ہے۔ جبکہ پاکستان کو تاریخی تقدس حاصل ہے نہ جغرافیائی طور پر ساٹھ سال قبل دنیا کے نقشے پر اس نام سے کسی ریاست کا وجود تھا۔ لسانی جذبہ اتنا کمزور ہے کہ بنگالی اور پٹھان کی ثقافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا پاکستان کو استحکام کے لیے ان عوامل میں سے کوئی ایک بنیاد بھی حاصل نہیں تھی۔ صرف اسلامی جذبہ ہی پٹھان، بلوچ، سندھی اور پنجابی کو متحد رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم اور علامہ اقبال نے اپنی تقاریر میں مسلسل اسلامی ریاست کے قیام کی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ پاکستان ایک جمہوری پروسیس کے ذریعے معرضِ وجود میں آیا اور اس اعتبار سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان کی ماں جمہوریت اور باپ اسلام ہے۔ لیکن یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جمہوریت ہی ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔ اگر پاکستان کی نظریاتی اساس کو مستحکم نہ کیا جائے تو اس کے وجود کا جواز ہی باقی نہیں رہتا۔ صرف اسلام ہی ہندوستان کی جغرافیائی، ثقافتی اور نظریاتی سرحدوں سے پاکستان کو ممتاز کرتا ہے۔ پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات سے بچنے کی واحد راہ یہ ہے کہ ہم قیام پاکستان کے وقت اللہ سے کیے گئے اپنے وعدے کو پورا کریں اور یہاں ایک جدید فلاحی اسلامی ریاست قائم کر کے دنیا کو دکھا دیں۔ اسلامی نظام کا قیام جمہوریت کے ذریعے ممکن نہیں۔ کیونکہ جمہوریت ہاتھ بدلتی ہے نظام نہیں بدل سکتی۔ نظام بدلنے کے لیے انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلامی انقلاب کے لیے ہمیں جدوجہد کا وہی منہاج اپنانا ہوگا جو رسول اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔ اگر ہم نے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تو آخرت میں محاسبہ کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی عذاب الٰہی سے نہ بچ سکیں گے۔ OO

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

مرکزی دعوتی ٹیم کا دورہ حلقہ سرحد شمالی

تنظیم اسلامی کے مرکزی ٹیم نے 16 تا 20 مئی حلقہ سرحد شمالی کا دورہ کیا۔ جس میں جناب رحمت اللہ بٹر اور محمد اشرف وصی شامل تھے۔ دونوں حضرات نے حلقہ کی مختلف تنظیم کا تفصیلی دورہ کیا اور قرآن وسنت کی روشنی میں دعوتی طریقہ کار کی بھرپور وضاحت کی۔ دونوں حضرات نے تیمر گرہ، دیر، بی بیوڑ، باجوڑ اور بٹ خیلہ تنظیم میں جا کر رفقاء کے سامنے نہایت وضاحت اور دلسوزی سے اس طریقہ کار کے ہر نکتے کی وضاحت کر کے رفقاء کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔

ٹیم نے بتایا کہ اس طرح ہم عوام پر اتمام حجت بھی کریں گے اور اپنی اصلاح بھی ہوگی اور یہی نبوی طریقہ کار ہے۔ حضورﷺ نے قرآن مجید کی بنیاد پر لوگوں کو دعوت دی، جماعت بنائی، اُن کا تزکیہ کیا اور پھر یہ حزب اللہ باطل سے ٹکرائی۔ آج کے طاغوتی نظام کے خاتمے کے لیے ہمیں یہی طریقہ اپنانا ہوگا۔

ٹیم جس جگہ جاتی، وہاں کے رفقاء سے حلقہ قرآنی قائم کرنے پر زور دیتی۔ جناب رحمت اللہ بٹر نے فکر آخرت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور حضورﷺ کے مشن کی تکمیل کرنا ہے، تاکہ ہم ابدی زندگی میں کامیاب ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے ہر اُسرے کے نقیب سے حلقہ قرآنی، اجتماعات اور رفقاء کی کیفیت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ٹیم نے واضح کیا کہ اس طریقہ سے مقصود دعوت کو آگے بڑھانا ہے اور عوام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا احساس دلانا ہے۔

مجموعی طور پر رفقاء کو اس کی اہمیت کا احساس ہوا اور اُنہوں نے اس طریقے سے دعوت دین کا کام کرنے کا عزم کیا۔ اللہ تعالیٰ دعوتی ٹیم کے ان کوششوں کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اس کے مطابق عمل کی توفیق دے۔ آمین (رپورٹ: احسان الودود)

تنظیم اسلامی گلستان جوہر کراچی کی شب بیداری

تنظیم اسلامی گلستان جوہر کی دوسری شب بیداری کا آغاز ساکلین بسیرا میں بروز ہفتہ رات ساڑھے دس بجے ہوا۔ سب سے پہلے سورۃ الفتح کے آخری رکوع پر جناب احسن زبید نے درس دیا۔ گیارہ بجے نصیر فاروقی کی Presentation دینی فرائض کے عنوان سے تھی، جس میں رفقاء کی توجہ اصل ہدف کی جانب دلائی گئی اور انہیں درجہ بہ درجہ دین کے تقاضے سمجھائے گئے۔ یعنی ایمان حقیقی کے حصول کی کوشش، ارکان اسلام، پوری زندگی عبادت، دوسروں تک دعوت، ایک دینی فریضہ کے طور پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد۔ انہوں نے آخر میں سہ منزلہ عمارت کے ذریعہ اس Presentation کو دہرایا۔ سوا بارہ بجے پہلی نشست کا اختتام ہوگیا۔ رفقاء سوا چار بجے تہجد کے لیے بیدار ہوگئے۔ تہجد اور نماز فجر کے درمیانی وقفہ میں انہیں نماز جنازہ کی اہمیت بتائی گئی۔ اور ہر رفیق کو نماز جنازہ کی دعا کی کاپی دی گئی اور یاد بھی کرائی گئی۔ نماز فجر کے بعد نوجوان ساتھی وقار حسین نے ”اللہ تعالیٰ پر ایمان اور استقامت“ کے حوالے سے درس حدیث دیا۔ پونے سات بجے تنظیم کے ایک اور نئے ساتھی تنویر احمد نے سیرت صحابہؓ کے موضوع پر حضرت خباب بن ارتؓ کی ایمان افروز سیرت کا بیان بہت پُر اثر طور پر کیا۔ سوا سات بجے ناشتہ ہوا جو شرکاء کی باہمی ملاقات کا بھی ایک ذریعہ تھا۔ اس میں رفقاء نے ایک دوسرے کا تعارف حاصل کیا۔ آٹھ بجے امیر تنظیم اسلامی گلستان جوہر عارف قاضی نے ”نظم جماعت“ کے حوالے سے مذاکرہ کرایا، جس میں سورۃ نور کی روشنی میں اجازت طلب کرنے والوں پر اللہ کی عنایت اور نظم جماعت کی پابندی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا۔ مذاکرے میں لوگوں نے بھرپور دلچسپی لی۔ یہ تمام پروگرام دراصل ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ مقامی امیر تنظیم نے اختتامی خطاب فرمایا۔

اس پروگرام میں نظامت کے فرائض جناب امین الدین نے ادا فرمائے۔ (مرتب: ظفر الطاف)

ضرورت رشتہ

☆ بیٹی، عمر 28 سال، ہومیوپیتھک، ڈاکٹر ایم۔اے میڈیسن کے لیے پڑھے لکھے برسرروزگار نوجوانوں کے والدین رجوع کریں۔ برائے رابطہ: 042-6371037

☆ اسلام آباد میں مقیم آرائیں فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 28 سال، تعلیم ایم بی اے ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی ملازمت کے لیے دینی مزاج کی حامل ایم اے یا گریجوایٹ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 051-4443934

☆ لاہور میں مقیم مغل فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 35 سال، تعلیم بی اے، ذاتی کاروبار کے لیے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0322-4391413
042-4391413

☆ بیٹی، عمر 30 سال، تعلیم ایف اے کے لیے دینی گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔ برائے رابطہ: 0323-5025001

☆ گجرات میں مقیم راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی (مطلقہ)، عمر 36 سال، تعلیم ایم اے اسلامیات بی ایڈ، قرآن اکیڈمی سے مختلف دینی کورسز، کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0333-4757762

☆ بہاولپور میں مقیم اہلحدیث فیملی کو اپنی بچیوں: بیٹی، عمر 22 سال، تعلیم میٹرک، حافظ قرآن، بیٹی (مطلقہ) عمر 27 سال، تعلیم ایف اے، کے لیے دینی مزاج کے حامل نوجوانوں کے، جبکہ اپنے بیٹے عمر 38 سال، تعلیم بی ایس سی، ذاتی کاروبار کے لیے لیڈی ڈاکٹر یا نرس کا رشتہ چاہیے۔ برائے رابطہ: 0301-7716558

☆ مانسہرہ میں مقیم ایک دیندار فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 32 سال، تعلیم ایف اے، ذاتی کاروبار، کے لیے ایک سنجیدہ فیملی سے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے ایبٹ آباد، ہری پور اور راولپنڈی کی رہائشی فیملی کو ترجیح دی جائے گی۔
برائے رابطہ: 0301-4576107

☆ لاہور میں رہائش پذیر لڑکی، عمر 29 سال، پوسٹ گریجوایٹ کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ رابطہ: 0306-4307015

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی کراچی وسطی کے امیر سید اشفاق حسین شدید علیل ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقائے تنظیم اسلامی سے بھی دعائے صحت کی اپیل ہے

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی گڑھی شاہو لاہور کے مبتدی رفیق مسکین خان کی والدہ وفات پا گئیں
- حلقہ بالائی سندھ اسرہ شہداد کوٹ کے نقیب کی شریک حیات وفات پا گئیں
- حلقہ سرحد شمالی اسرہ تھانہ کے رفیق الطاف حسین کے والد روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ رفقائے تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے

لوگ اسلام سے متاثر ہیں: کارڈینل توران

ایک ارب سے زیادہ کیتھولک عیسائیوں کا مرکز ویٹیکن سٹی ہے۔ اب اس مرکز کے ایک سینئر رہنما، کارڈینل جین لوئس توران نے تسلیم کیا ہے کہ مغرب میں عیسائی تمام مذاہب میں سب سے زیادہ اسلام ہی سے متاثر ہیں۔ جین لوئس اس شعبے کے سربراہ ہیں، جو یہودیت کے علاوہ تمام مذاہب اور رومن کیتھولک عیسائیت کے مابین تعلقات سے متعلق ہے۔

آج کل کارڈینل اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اسلام سمیت دیگر مذاہب سے گفت وشنید کے سلسلے میں نئی گائڈلائن تیار کر رہے ہیں۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا "یہ گائڈلائن تمام مذاہب سے متعلق ہوگی۔ مگر یہ سچ ہے، اسلام کو ہم کچھ زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ایشیا میں اور بھی کئی عظیم مذہب موجود ہیں۔"

عالم اسلام اور رومن کیتھولک عیسائیت کے مابین تعلقات میں 2006ء میں رخنہ آ گیا تھا، جب موجودہ پوپ نے متنازع تقریر کی تھی۔ پھر انہوں نے تعلقات بہتر بنانے کے لیے ترکی کا دورہ کیا، تو وہاں نیلی مسجد گئے اور مکہ مکرمہ کی طرف رخ کر کے عبادت کی۔

کارڈینل توران نے انکشاف کیا کہ سعودی عرب میں چرچ تعمیر کرنے کے سلسلے میں سعودی حکومت سے بات چیت جاری ہے۔ تاہم انہوں نے تفصیل بتانے سے انکار کر دیا۔

جموں میں کشمیر کا نیا گورنر

بھارتی حکومت نے سابق سیکرٹری دفاع این این وہرہ کو جموں وکشمیر کا نیا گورنر مقرر کیا ہے۔ ان کی تعیناتی کو ماہرین بھارت کی کشمیر پالیسی میں بڑی تبدیلی قرار دے رہے ہیں۔ دراصل بیس سال بعد یہ پہلا موقع ہے کہ کسی سویلین کو گورنر بنایا گیا ہے ورنہ تب سے فوجی جرنیل ہی وادی کے سرکاری حاکم بنتے چلے آ رہے ہیں۔

جموں وکشمیر کے کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ اور کانگریسی رہنما غلام نبی آزاد کی بھی کوشش تھی کہ کوئی جرنیل ہی نیا گورنر بنے مگر مرکزی حکومت نے موصوف کی تجاویز ٹھکرا دیں۔ میرواعظ عمر فاروق نے این این وہرہ کی تعیناتی کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں معقول آدمی قرار دیا ہے۔

حسینہ واجد دو ماہ کے لیے رہا

بنگلہ دیش کی عبوری حکومت نے عوامی لیگ کی سربراہ حسینہ واجد کو 2 ماہ کے لیے رہا کر دیا ہے تا کہ وہ امریکا جا کر اپنے کانوں اور آنکھوں کا علاج کرا سکیں۔ یاد رہے حسینہ واجد کو پچھلے سال بے ایمانی کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔

گوانتاناموبے کے قیدیوں کی جیت

انسانی حقوق کی چیمپئن امریکی حکومت نے اب بھی کسی قسم کا مقدمہ چلائے اور کوئی الزام لگائے بغیر 270 افراد کو محض شک کی بنا پر گوانتاناموبے میں قید کر رکھا ہے۔ ان قیدیوں نے اپنی نظر بندی کے خلاف امریکی سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی۔ اب پچھلے دنوں امریکی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دے کر قانون وانصاف کا سر کچھ بلند کر دیا ہے کہ گوانتاناموبے کے قیدی یہ آئینی حق رکھتے ہیں کہ کسی بھی امریکی عدالت میں اپنی نظر بندی کو چیلنج کر سکیں۔

یاد رہے، امریکی حکومت نے یہ ظالمانہ قانون بنا رکھا ہے کہ "دہشت گردی" کے الزام میں گرفتار قیدی امریکی عدالتوں میں کوئی کیس نہیں لڑ سکتے۔ 2006ء میں امریکی سپریم کورٹ نے بھی اس قانون کی توثیق کر دی تھی۔ لیکن اب 4 کے مقابلے میں 5 ججوں نے پرانے فیصلے کو کالعدم قرار دیتے ہوئے نیا فیصلہ سنایا ہے۔ ماہرین کے مطابق یہ فیصلہ بش حکومت کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔

سعودی لڑکی کا ایمان افروز فیصلہ

سعودی عرب کی ایک طالبہ نے جنہیں فرانس میں اعلیٰ میڈیکل تعلیم جاری رکھنے کے لیے حال ہی میں سکالرشپ مل گیا ہے، فرانس نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ اس سے کہا گیا ہے کہ فرانس کی یونیورسٹی میں اسے حجاب پہننے کی اجازت نہیں رہے گی۔ اریج عبدالہادی نے کہا کہ وہ فرانس میں آبسٹرکس اور گائناکالوجی کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے، لیکن اب اس نے فرانس میں حجاب پر سخت پابندی کی وجہ سے وہاں نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ عبدالہادی پہلے ہی فرانسیسی زبان سیکھنے پر 7000 ریال خرچ کر چکی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس پیسوں کے ضائع ہو جانے اور سکالرشپ سے محرومی کی کوئی فکر نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ "حجاب میرے عقائد کا حصہ ہے یہ ایک ایسی چیز ہیں جسے میں ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی۔"

افغانستان کو اربوں ڈالر مل گئے

جب سے امریکا اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر یلغار کی ہے تب سے افیون کی کاشت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور اس امر پر مغربی ممالک کو شدید تشویش ہے کیونکہ افغانی افیون کا بیشتر حصہ بشکل ہیروئن انہی کی نئی نسل تک پہنچتا ہے۔

گو امریکا اور اس کے حواری افغان صدر حامد کرزئی کی کارکردگی سے خوش نہیں تاہم عالمی برادری نے افغانستان کی تعمیر نو کے لیے 20 ارب ڈالر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں پیرس میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں امریکی خاتون اول، فرانسیسی صدر اور 80 ممالک کے نمائندوں نے شرکت کی۔ یہ رقم اس لیے دی جا رہی ہے تا کہ افغان حکومت اپنے ملک میں سڑکیں تعمیر کرے، ڈیم بنائے، بجلی گھر بنائے اور طاقتور فوج کھڑی کرے تا کہ وہ خانہ جنگی پر قابو پا سکے۔

اس 20 ارب ڈالر کی امداد میں سب سے بڑا حصہ امریکا کا ہے۔ (ظاہر ہے، افغانستان کو تباہ بھی تو اسی نے کیا ہے) امریکی خاتون اول نے اعلان کیا کہ اگلے دو برس کے دوران امریکا افغانستان کو 10.2 ارب ڈالر دے گا۔ اس کے بعد برطانیہ، جاپان، جرمنی بالترتیب 1.2 ارب ڈالر، 550 ملین ڈالر اور 420 ملین یورو دیں گے۔

اُدھر طالبان نے قندھار میں ایک جیل خانہ بم مار کر اڑا دیا۔ اس جیل خانے سے کم از کم ایک ہزار قیدی فرار ہو گئے جن میں تقریباً 400 طالبان تھے۔ اخباری خبروں کے مطابق طالبان دو ماہ سے اس حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ طالبان کی اس کامیابی نے یقیناً کٹھ پتلی حامد کرزئی کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔

ملائیشیا میں سیاسی بحران

پچھلے دنوں ملائیشیا کے وزیر اعظم، عبداللہ بداوی نے پٹرول کی قیمت میں 41 فیصد تک اضافہ کر دیا۔ تاہم یہ اقدام ملائیشیائی عوام میں انہیں مزید غیر مقبول بنا گیا۔ اب جگہ جگہ سے یہ مطالبہ ہونے لگا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ آخر عبداللہ بداوی نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ عنقریب اقتدار کی بھاگیں نائب وزیر اعظم نجیب رزاق کو تھما دیں گے، مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کب؟ اسی لیے ملائیشیا اب بھی سیاسی بحران کا شکار ہے۔

دریں اثنا حزب اختلاف کے رہنما، انوار ابراہیم نے کہا کہ اگر اقتدار ملا، تو وہ وزیر اعظم بنتے ہی قیمت میں 41 فیصد اضافے کا فیصلہ واپس لے لیں گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حزب اقتدار کے 30 ارکان ان سے آملنے کو تیار ہیں۔